نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

ماہنامہ

صفر المظفر ۱۴۱۰ھ ۞ ستمبر ۱۹۸۹ء

رئیس التحریر
ابن امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّۃ عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

افکارِ احرار

اے وفا کے راہیو

ماضی کے دھندلکے میں دکھائی دینے والے غبار آلود چہرے اور ماضی کے جھروکوں سے آنیوالی پُر ستاخیز صدائیں ہر مومن و مسلم کو کوہ و دشت میں جاری و ساری معرکۂ حق و باطل میں شرکت کی دعوت دے رہی ہیں۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ تلواروں کی جھنکار تیروں کی بوچھاڑ نعرۂ اللہ احد، اللہ اکبر اور ھل من مبارز کی للکار بلاکشانِ محبت الٰہی کو پکار رہی ہے۔

اے شمعِ توحید کے پروانو! اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالو! اے جادۂ حق کے راہیو! تمہاری وہ ہمتیں کیا ہوئیں اور تمہارے عزمِ جواں کہاں سو گئے تمہیں عرب کے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس انقلاب کا درس عطا فرما دیا تھا وہ تم نے کیوں طاق نسیاں کی زینت بنا دیا تم وہی ہو جن کے اسلاف نے عجم کے سورماؤں کو جنگ قادسیہ میں ہمیشہ کے لئے تاخت و تاراج کر دیا تھا اور عجم کا سارا غرور و تکبر تہِ خاک دبا دیا تھا! تم وہی ہو جن کے اسلافِ خدامست نے فرعونیوں قارونیوں اور ایرانیوں کا تخت طاؤس، دبدبۂ کیقباد، شوکت کیخسرو اور تاج جمشید کو نبی عربی کی دشمنی کی پاداش میں فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ تم وہی ہو کہ تمہارے امام عرش مقام عمر بن خطاب اور تمہارے سپہ سالار افواج نبوی سعد بن ابی وقاص نے سازشِ عجم کے سب تار و پود بکھیر دیئے اور آج یہ تم ہو کہ عجمی سازش کا صیدِ زبوں ہو چکے ہو۔ آہ یہ تم ہو جو عجمی سازشیوں کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں کر سکتے ہو۔ آہ یہ تم ہو جو مصنوعی تقدس و پارسائی کے نخچیر ہو اور عجمی سازشیوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے انہی کی بولی بول رہے ہو اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے انقلاب کی بجائے انتظار کی بھنور میں ڈبکیاں لے رہے ہو، تم کس منہ سے اپنے آپ کو خالد بن ولید کا وارث کہتے ہو اور تم کس منہ سے ابو عبیدہ بن جراح کی امانتوں کا اپنے تئیں امین سمجھتے ہو وہ سراپا جد و جہد اور تم سر تا سر جمود و خمود ـــ یاد رکھو اشتری حیلے تمہاری مشکلات کا حل نہیں اور نہ ہی مختاری چالیں تمہیں بزدلی کے گڑھے سے نکال سکیں گی یہ پائی و دولت اور تکنیکی تجربہ تمہیں محکومی سے نجات نہیں دلا سکتا۔

تمہیں زندہ رہنا ہے تو عمر کی تدبیر، عثمان کی حیا، اور معاویہ کا حلم و حکمت خالد کی شجاعت کا علم لہراتے ہوئے نبی عربی کا انقلاب برپا کر دو اور عجم کی سازش کا شیش محل ایک مرتبہ پھر چکنا چور کر دو۔

سید عطاء المحسن بخاری

Phone : 72813
NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWWAT MULTAN

نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

سالِ اشاعت: ۲ سلسلہ اشاعت: ۹

صفر المظفر: سنہ ۱۴۱۰ھ ستمبر: سنہ ۱۹۸۹ء

سرپرستا اکابر:

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہٗ — مولانا محمد عبداللہ مدظلہٗ
مولانا محمد اسحق صدیقی مدظلہٗ — مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہٗ
مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ — مولانا محمد عبدالحق مدظلہٗ
حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہٗ

رفقاءِ فکر

سید عطاء المحسن بخاری — سید محمد ارشد بخاری
سید عطاء المؤمن بخاری — سید خالد مسعود گیلانی
سید عطاء المہیمن بخاری — عبداللطیف خالد ○ احمد جنجوا
سید محمد کفیل بخاری — عمر فاروق عمر ○ محمود شاھد
سید عبدالکبیر بخاری — قمر الحسنین ○ بدر منیر احرار
سید محمد ذوالکفل بخاری

زرِ معاونت اندرونِ ملک ، بیرونِ ملک

فی پرچہ : ۵/۔۔ روپے
زرِ سالانہ : ۵۰/۔۔ روپے

سعودی عرب ، عرب امارات
مسقط ، بحرین ، عراق ، ایران
مصر ، کویت ، بنگلہ دیش ، انڈیا

امریکہ ، برطانیہ ، تھائی لینڈ
ہانگ کانگ ، برما ، نائیجیریا
جنوبی افریقہ ، شمالی افریقہ

سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

دارِ بنی ھاشم ○ مہربان کالونی ○ ملتان

آئینہ

صفحہ		عناوین
۳	رئیس التحریر	دل کی بات ،
۹	ادارہ	ایران کی جیل میں ؟
۱۱	حکیم محمود احمد ظفر	علامہ اقبال اور فتنۂ جمہوریت
۱۸	مصباح الدین	مرزا قادیانی کی اسلام دشمنی
۲۴	سید عطا المحسن بخاری	"شہر آزر کے ہر بت پر میرا نام لکھا رکھا ہے" (نظم)
۲۵	عطاء الحق قاسمی	سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح
۲۷	سید ارشد بخاری	تاریخ ساز دن ۔
۳۴	آپا ہندہ	پچاس برس پہلے ... !
۴۰	قمر الحسین قمر	"یہ جگ بیت گیا" (نظم)
۴۱	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	ساغر صدیقی مرحوم ۔
۴۶	خادم حسین شیخ	زباں میری ہے بات اُن کی ۔
۴۹	ظفر اقبال فاروقی	روداد اجتماع یوم امیر شریعت رح
۵۵	سعید احمد	رواں رہے گا کارواں بخاری کا
۵۷	سید ذوالکفل بخاری	روداد اجتماع مجلس ذکر حسین ملتان
۶۲	حبیب اللہ چیمہ	مجلس ذکر حسین چیچہ وطنی
۶۳	ادارہ	حسنِ انتقاد (تبصرہ کتب)

دل کی بات

ہمارے پاکستان کی بدقسمتیوں میں سے بہت بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں جو بھی حکمران ہوا وہ ذوقِ حکمرانی کا سیح ہجے سے تو آیا لیکن شعورِ حکمرانی سے محروم ہی رہا۔

کرسئ صدارت کی تمازت وحرارت نے ان لوگوں کو ہمیشہ انگشتِ زیرِ پا کئے رکھا اور یہ لوگ غصّہ، غضب، انتقام بہتان اور الزام و دشنام کو وظیفۂ اقتدار بنائے ہے موجودہ حکومت بھی اسی اہتمام وانتقام کی آگ میں جل رہی ہے اور طولِ شبِ وصال کی سرد جنگ جیتنے کیلئے تمام سرکاری وسائل داؤ پر لگا رہی ہے برسرِاقتدار پارٹی کے ذمّہ دار افراد کا لب ولہجہ شائستگی سے محروم اور فکر کا دامن تدبر و حکمت سے خالی ہے ان کے ہاں بھی وحشت و دہشت اور دولتِ دنیا ہی حکومت کے استحکام کے مضبوط ذرائع سمجھے جارہے ہیں حالانکہ ضیاء مرحوم کے عہدِ اقتدار میں ان کی بولی ٹھولی میں سیّدنا عمرؓ اور سیّدنا علیؓ کی حکومتوں کے حوالے ملتے ہیں کہ ہم برسرِاقتدار آئے تو عہدِ فاروقیؓ اور عہدِ علیؓ کی مثالیں قائم کریں گے۔ لیکن صورتحال اس سے قطعاً نہ صرف یہ کہ مختلف ہے بلکہ متضاد ہے سیّدنا عمرؓ اپنے عُمّال و حکام کو خطوط لکھتے تو حکم دیتے کہ:

تم باریک اور اعلیٰ لباس مت پہنو، اعلیٰ خوراک مت کھاؤ، اعلیٰ سواری پر مت بیٹھو، اپنے دروازے پر پہریدار مت بٹھاؤ۔ لوگوں کی ضرورتوں اور اپنے مابین حاجب مت رکھو، مسلمانوں کو براہِ راست اپنی ضرورتوں کیلئے ملاقات کا موقع دو۔"

سیّدنا علیؓ نے بھی اسی طرح کے احکام جاری فرمائے۔

لیکن یہاں حالت یہ ہے کہ اپنے پسندیدہ فاسق وفاجر اور مستبد وجابر افراد کو عوام کی بہبود وفلاح کے نام پر پچاس پچاس لاکھ روپے دیئے جارہے ہیں اور بے حیار برہنہ پی پی پی دندنا رہے ہیں۔ اور اپنے مخالفوں سے وہ سلوک کر رہے ہیں جس کے بانی ہڈسن اور ہٹلر جیسے گبر کافر تھے۔ عبرت اور نوشتۂ دیوار نامی کوئی بات ان پر اثر انداز نہیں ہوتی حالانکہ ماضی قریب میں شیخ مجیب الرحمان۔ ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل محمد ضیاء الحق شہید کی المناک اموات حکمرانوں میں خشیتِ الٰہی اور اُمّت پر رحمت وشفقت کے جذبات پیدا کرنے کیلئے کافی ووافی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے:

اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ۔

زمین والوں پر تم رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

زمین والے زمین والوں پر رحم نہ کریں تو کم سے کم درجہ یہ ہے کہ ظلم بھی نہ کریں لیکن وہ پارٹی جس نے معاشی عدل قائم کرنے کی قسمیں کھا کھا کے اقتدار سے متمتع کیا ہے ان کا "رحم و کرم" یہ ہے :

بجلی کے نرخوں میں ۲۵ فیصد اضافہ کر دیا گیا (جنگ ۲۹ اگست)

گھی کی قیمت بھی بڑھا دی گئی، ۵۰ پیسے فی کلو اضافہ کر دیا۔ (جنگ ۳۰ اگست)

گیس اور پانی کے نرخوں میں اضافہ ہوگا، ہر چیز مہنگی ہو جائیگی (نوائے وقت ۳۰ اگست)

سبزیاں، گوشت، چینی، آٹا، چاول، دالیں، کپڑا، پالوش، ان خبروں کے آتے ہی تیسری مرتبہ آسمانِ اسلام آباد پر پرواز میں مصروف ہو گئے ہیں۔ تنخواہوں میں کوئی اضافہ نہیں۔ دوسرے، تیسرے اور چوتھے طبقہ کے ملازمین زندگی کی ضرورتوں کی کفالت سے پہلے ہی عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ ہر ماہ دکاندار ملا کے قرض کھاتے انہیں گھر کا راستہ بدلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ سرمایہ دار، جاگیردار اور بڑا تاجر ان اعلانات سے اور زیادہ موٹا اور مسرور ہو گیا ہے اس کے نیچے گھی اور سر کڑاہی میں ہے۔ بیرونی قرضوں کا ۵ فیصد بھی اسی کے لئے ہے لیکن وہ مہنگائی قبول کرنے میں ایک فی صد بھی حصہ دار نہیں بلکہ وہ بیرونی قرضوں کا ۵ فیصد لے کر بھی مزید ۵ فیصد مہنگائی میں اضافہ کرتا ہے اور عام غریب مسلمان ۱۰۰ فیصد مہنگائی کے عفریت کے ہاتھوں جکڑا ہوا ہے۔ بچوں کی تعلیم، علاج معالجہ کی تمام سہولتیں بھی یہی فاسق و فاجر دولت مند لیجاتا ہے اور سوشل سیکورٹی کے تمام ذرائع پر بھی اسی جابر و غاصب کا قبضہ ہے اور انکی اکثریت رافضیوں اور مرزائیوں پر مشتمل ہے جو براہ راست امریکی و برطانوی یہودیوں کے "شاگرد رشید" ہیں۔ پی پی پی والوں کو چاہیئے کہ اچھی یادیں قائم کریں کہ ان کے عقبی سدھار جانے کے بعد کوئی انہیں اچھے نام سے بھی یاد کرے۔

ضیاء الحق کی برسی

پی پی پی نے تمام ذرائع ابلاغ کو "ضیاء نفرت پروگرام" کی بھٹی میں بے دریغ جھونک دیا ہے اور نفرتوں کے الاؤ جلا رکھے ہیں مگر وہ اس شخص کی نیک یادوں کو نہ جلا سکے جسے آمر آمر کی رٹ لگا کر وہ بھسم کرنا چاہتی ہے۔ ضیاء الحق مرحوم سے تمام تر اختلافات کے باوجود یہ کہنے میں ہمیں کوئی خوف ملامت دامن گیر نہیں کہ وہ فی الواقع "صابر" حکمران تھے اور ایسی جابر جمہوریت کے مقابلہ میں انکی صابر شخصی حکومت بدرجہا بہتر تھی اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اُن کی برسی پر لوگ کشاں کشاں پہنچے

گئے جیسے وہ ان سب کا اپنا عزیز جاں تھا۔ بلکہ ضیاء الحق ان سب کی متاع عزیز تھا۔ یہ سب ایک سال بعد بھی سوگوار اور گریہ کناں تھے، قرآن پڑھ رہے تھے اور اس کے قاتلوں پر لعنت بھیج رہے تھے آخر ایسا کیوں تھا؟ ہم سمجھتے ہیں انہوں نے ظلم نہیں کیا تھا وہ مظلوم تھے۔

موجودہ حکومت کو بھی ظلم سے ہاتھ روکنا چاہیئے۔ پھر معاشی ظلم یہ تو کفر سے بھی بدتر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان اللہ لا یقیم الدولۃ الظالمۃ و ان کانت مومنۃ۔

بے شک اللہ پاک ظالموں کی حکومت قائم نہیں رہنے دیتے اگرچہ وہ حکومت مؤمنہ ہی کیوں نہ ہو۔

پھر ہمارا حکومت تو بنو اُمیہ اور بنو عباس کی حکومتوں کے مقابلہ میں بھی فاسق و فاجر حکومت ہے۔

شیخوپورہ کا الیکشن

ہم سمجھتے ہیں کہ جمہوریت کو ایمان کا درجہ دینے والے جمہوریت زادوں اور ان کے ہمنوا مذہبی بہروپیوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ وہ شیخوپورہ میں کس بری طرح چاروں شانے چت ہوئے ہیں اگر وہ جمہوریت کے نام پر سیاسی جبر اور معاشی ظلم روا نہ رکھتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اقتدار پر براجمان ہونے کے باوجود یہ سیٹ ہار جائے۔ اس شکست کے اثرات یوں سمجھ میں آتے ہیں۔

نواز شریف اور گیلانی ملاقات

کہ وزیراعظم نے پارٹی کارکنوں کی شدید گوشمالی کی ہے اور ان کی کارکردگی پر مضبوط گرفت کی ہے جس کے نتیجہ میں وفاقی وزیر قانون مسٹر افتخار گیلانی وزیر اعلیٰ پنجاب نواز شریف سے ملاقات کے لئے آگئے ہیں اللہ کرے کوئی بہتر نتائج برآمد ہوں۔ وفاقی حکومت اگر فضا سازگار کرنے میں مخلص ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ معاملات سیاست سدھر نہ سکیں۔ اصل مسئلہ تو ملک و قوم کے ساتھ اخلاص کا ہے مگر حادثہ یہ ہے کہ یہ لوگ اقتدار سے مخلص ہیں، ملک و قوم سے نہیں۔ جس کی واضح مثال وزیراعظم کا صدر سے "منکا" ہے۔

صدر اور وزیر اعظم کی زور آزمائی

وزیراعظم ایک طرف تو اس بات سے بہت رنجیدہ ہیں کہ وہ ایڈمرل سروہی کے معاملے میں من مانی نہ کر سکیں اور دوسرے وہ اس بات سے بہت افسردہ ہیں کہ یہ خفیہ "عمل" اخبارات اور عوام کی تنقید کی زد میں کیوں آگیا؟ ہمیں اس بات پر بہت ہی حیرت ہے کہ

وزیراعظم نے جب بھی ایسی صورت حال پر وسیع مفہوم کی گفتگو کرنی ہوتی ہے وہ فارن پریس کو ہی انٹرویو دیتی ہیں اگر یہ مسائل اندرونِ ملک "ڈسکس" کرنے سے انہیں گرانی ہوتی ہے تو پھر ملکی وقومی مسائل کو بیرون ملک لیجانے کا کیا جواز ہے وزیراعظم یہی گفتگو اندرون ملک صحافیوں سے بھی تو کر سکتی ہیں اور اگر وہ چاہتی ہیں کہ "اندر کی بات باہر کی سکرین پر" نہ آئے تو جمہوریت کے "اصول" کچھ لو اور کچھ دو" کے تحت صدر غلام اسحٰق سے "اندر ہی اندر معاملات طے کرلیں۔ وہ صدر بھی ہیں اور بے نظیر اور ان کے والد مرحوم کے بزرگ و "محسن" بھی اور اپنے محسنوں کو یوں سرعام رسوا کرنا اچھی روایت نہیں۔

وولر بیراج

صدر محمد ایوب خان مرحوم ، پنڈت جواہر لعل نہرو اور اے بی آئلف کے دستخطوں سے دریاؤں کے پانی کا ایک معاہدہ ہوا تھا جسے سندھ طاس کا معاہدہ کہا جاتا ہے جس میں یہ طے پایا تھا کہ بھارت دریائے چناب یا جہلم پر دس ہزار ایکڑ فٹ سے زیادہ پانی جمع نہیں کر سکتا۔ مگر موجودہ حکومت نے اپنے اسلاف کی یاد تازہ کرتے ہوئے ۲۳ لاکھ ایکڑ فٹ پر پانی جمع کرنے کی "نوشیروانی" روایت دہرائی ہے اور دھائی یہ دی جا رہی ہے کہ ہم نے بہت سی دوسری شرائط منوا کر ۲ لاکھ ۹۰ ہزار فٹ کی اجازت دی ہے اور اس سلسلہ کی اہم بات یہ ہے کہ اس سارے معاملے میں صدر غلام اسحٰق کو بے تعلق اور بے خبر بھی رکھا گیا ہے (جنگ ۳۰ اگست)

کیا اچھا ہوتا کہ حکمران ان قومی و ملکی مفادات سے بھی قوم کو آگاہ کر دیتے جو اتنی بڑی "قربانی" سے قوم و ملک کو حاصل ہوئے جس سے یہ معلوم ہو جاتا کہ واقعی پی پی پی کی حکومت نے یہ سودا "سستا" کیا ہے لیکن کیا کیا جائے اس آنت کا کہ پاکستان اس سے پہلے بھی اسی قسم کی روایتیں قائم کر چکا ہے ظفراللہ نے گورداسپور اور کشمیر بھارت کو بخشا ۔ ایوب خان نے بلوچستان کا بہت بڑا علاقہ ایران کو "ہدیہ نذرانہ" کیا اور موجودہ وزیراعظم کے والد ماجد بھٹو صاحب نے "ادھر تم ادھر ہم" کے اعلانِ خود کیساتھ ہی سونار بنگال "بنگالیوں" کے حوالے کیا ۔ ضیاء الحق کے دور میں غل ہوا کہ سیاچن کی چوکی بھارت چھین کے لے گیا اور اب ۳ لاکھ ایکڑ فٹ پانی جمع کرکے مرحمتِ خسروانہ؟

اس پہ بھی اعتراض ہوا ، قوم چیخی پکاری تو عوام کو یہی لوری دی گئی کہ :

"ہم نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا ہم نے بہت سی شرائط منوائی ہیں جس سے پاکستان

کو بہت نفع ہوگا۔

لیکن ان کے مرنے کے بعد ارشاد حقانی ایسے حقانی کالم نویسوں نے خوفناک نقصانات کی فہرست جنگ کے سینے پر لکھا دی اور آنے والی حکومت سے اشیر واد حاصل کرلی۔

سیاچن گلیشیئر : موجودہ حکومت کی بہت بڑی کامیابی کہ راجیو پاکستان آیا اور پاکستانی وزیر اعظم سے کھل کے خلوت و جلوت میں باتیں ہوئیں اور سیاچن گلیشیئر جیسے نیا ایشو کی آمریت سے نظر انداز کر دیا گیا تھا کہ وہاں گھاس بھی نہیں اُگتی اور موجودہ حکومت کے وزیر دفاع غلام سرور چیمہ دامن کے متعلق انواہ تھی کہ وہ مرزائی خاندان سے متعلق ہیں نے کہا کہ سیاچن مردہ گڑھا ہے۔ بینظیر وہاں تشریف لے گئیں تو آواز آئی کہ اب وہاں پھول بھی اُگنے لگے ہیں۔

راجیو کی کہہ مکرنیوں کا ہماری وزیر اعظم صاحبہ کو بہت افسوس ہے اس لئے اب پھر سیاچن پر فوج کی تعیناتی بہت ضروری ہے اور جرنیل و عوام ایک ہو گئے ہیں۔ (جنگ ۳۰ اگست)

ع عاشق کے زرد لہجے کا پسینا رہا ہونا

"نالۂ غم"

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون

فوکر طیارہ ملتان میں ہمارے کرم فرما جناب حکیم محمد حنیف اللہ سہوترہ کا گبرو جوان فرزند ارجمند ملتان میں ہوا باز کا فن سیکھاتے ہوئے پر سوئے جنت پرواز کر گیا۔ منیب بہت ہی کم گو، ہنس مکھ، دُھن کا پکا اور من موجی جوانِ رعنا تھا اسکی موت نے سینکڑوں بوڑھوں اور ہزاروں نوجوانوں کو خون کے آنسو رلائے۔ اہل خانہ کی غم و اندوہ کی حالت تو دیکھی نہ جاتی تھی ہر شخص غم کی وادی میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا منیب سب کی آشاؤں کے آسمان کا تارا تھا جس کے ڈوب جانے سے ڈوب ڈوب گئے دل پیاروں کے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ابھی ہم سب اس بحر غم میں ڈبکیاں لے رہے تھے کہ اور بہت سی ماؤں کے لال بہنوں کے ویر معصوم امنگیں دلوں میں لئے عزیز و اقارب کی منتظر نگاہوں خوشیوں کے چراغ تمد کر گئے۔ گلگت سے اسلام آباد

آسنے والا فوکر طیارہ کرب و الم، غم و حم۔ درددں اور دکھوں کی اتھاہ گہرائی میں کھو گیا۔ ہفتہ ہو گیا تلاش کرتے کرتے

مگر اُن کا نشان نہ زمین پر نہ بادلوں میں۔ ہاں صرف لگا ہوا ہے اور دلوں میں وہ بھی صرف اپنوں کے زخمی دلوں میں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ طفل تسلیوں، نجومیوں اور کاہنوں کی کافرانہ ہرزہ سرائیوں سے بھی اس وادی میں کھو جانے والوں کا

کبھی سراغ ملا؟ منها خَلَقْنٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ ہم نے تمہیں اسی میں سے پیدا کیا اور تمہیں اسی میں لوٹا

دیں گے! لوٹ کر جانے والو تم پر تمہارے ایمانوں اور عمل صالح کے عوض رحمت کی بارش ہو، تم مغفرت کے بحر ذخار

میں غوطے لگاؤ اور بعد میں آنے والوں کو بشارتیں بانٹو! تم جہاں گئے ہو یقیناً تمہیں وہاں سے پیدا کیا گیا تھا

اور اب تم آسودۂ خاک ہو۔ نم بالهناء نم بالهناء نم بالهنا

تم دلہنوں کی مانند سو جاؤ

جو "میاں" صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں، وہ اس قابل نہیں — کہ اُسے مُنہ بھی لگایا جائے

جو نام نہاد مسلمان نبوت کے ان ڈاکوؤں سے حُسنِ سلوک کے قائل ہیں یا ان سے رواداری پر عامل ہیں وہ حرماں نصیب روزِ محشر شفیعِ اُمت حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا مُنہ لے کر جائیں گے۔ جو "میاں" صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں، وہ اس قابل نہیں کہ اُسے مُنہ بھی لگایا جائے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ عالیہ پر ڈاکہ ڈالنے والا مسیلمہ کذاب کی طرح آج بھی واجب القتل ہے۔ ارتداد ایک ایسا جرم ہے جس کی معافی اسلام میں کہیں نہیں۔ "مرزا" اور اُس کے ماننے والے —

دجّال ○ کذّاب ○ مُرتد ○ واجبُ القتل اور جہنّمی ہیں۔!

بانی احرار، مؤسس تحریک تحفظ ختم نبوت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ختمِ نبوّت کے معنٰی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعدِ اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے، تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ مسیلمہ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا۔ حالانکہ وہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مُصدّق تھا اور اُس کی اذان میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق تھی —!

علامہ اقبالؒ
انوارِ اقبال ص: ۴۵

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے جریدے میں شائع ہونے والی اپیل

ایران کی جیل میں اہلِ سنّت عالمِ دین

مفتی احمد زادہ پر کیا گذر رہی ہے؟

مقدمة من اعتقل فى تلك الاثناء ، المجاهد الكبير الاستاذ أحمد وقع عليه من الظلم ما يعنى ذكره مرارات المظالم ، لا لذنب إلا الاصلاح والخير ، فاعتقلوه ظلماً ، وحكموا عليه بالسجن خمس

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو بھارت)

ماہنامہ "البعث الاسلامی (عربی) شمارہ 34 محرم الحرام 1410 ھجری مطابق اگست 1989

ایران میں مسلمانان اہل السنتہ کی اپیل

ہمارے ادارے کو ایرانی مسلمانان اہل السنتہ کی طرف سے بھیجی گئی یہ اپیل بغرض اشاعت موصول ہوئی ہے تاکہ ہمارے ماہنامہ کے توسط سے مسلمانان عالم کو ایران میں ہونے والے واقعات اور حالات کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے کا موقع فراہم ہو سکے

اللہ ہی حق کی راہنمائی کرنے والا اور سید ھا راستہ دکھانے والا ہے ۔۔۔۔۔۔ ایڈیٹر)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر خود ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد سے ہاتھ کھینچتا ہے جو اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ اس کی حاجت روائی کرتا ہے

دنیا کے چار جہت میں بسنے والے سچے مسلمانو

گزشتہ کئی برس پہلے آپ تک ایسی خبریں پہنچی ہوں گی جن میں ایران میں اہل سنت کے خلاف کی جانے والی زیادتی اور مظالم کا حال معلوم ہوا ہو انہی زیادتیوں میں امہات المومنین رضوان اللہ تعالی علیھن اجمعین کے خلاف بد کلامی سابقین الاولین مہاجر اور انصار محترم شخصیات کے خلاف سرکاری ذرائع ابلاغ اور نشر و اشاعت کے ذریعہ اتہامات کی بھر مار اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا شہریوں کو ظلم و زیادتی کا نشانہ بنانا مخلص با ایمان افراد کو ہراساں کرنا انہیں در بدر کرنا قید و بند کی صعوبتوں سے گزارنا اور ہر طرح کی ذلت و رسوائی سے دوچار کرنا شامل ہے

یہ سب کارروائیاں ان اہل سنتہ شہریوں کے خلاف بطور مہم جاری ہیں جن کے متعلق دوست دشمن سب اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ انقلاب ایران کی تائید و حمایت میں وہ دوسرے ایرانیوں سے کبھی بھی پیچھے نہیں رہے بلکہ یوں سمجھئے کہ انقلاب کے سر گرم داعیوں میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہے

اس مہم کے دوران مکتب القرآن نامی ادارہ سے منسلک و متعلق مرد اور عورتوں کو بڑی تعداد میں گرفتار کیا گیا یہ ایران کا وہ دینی ادارہ ہے جسے عالمی شہرت یافتہ اور بلند پایہ عالم دین الاستاد احمد مفتی زادہ نے وسط 1982 میں قائم کیا تھا

قید میں ڈالے جانے والے ان افراد کی کم سے کم معیاد قید دو سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے بغیر فرد جرم جاری کئے ان کو چند سال قید میں ڈالے رہنے کے بعد رہا کر دیا گیا لیکن یہ اعلان نہیں کیا گیا کہ وہ کس جرم کی پاداش میں اتنا عرصہ قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے رہے گرفتار کئے جانے والوں میں نمایاں شخصیت استاد احمد مفتی زادہ کی ہے جو ایک جلیل القدر مجاہد اور محترم عالم دین ہیں ان پر جو مظالم ڈھائے گئے ان کی تفصیل میں جائیں تو سننے والے باقی مظالم کو بھول جائیں گے اور ان کا قصور اور جرم صرف یہ تھا کہ وہ اصلاح کے داعی تھے انہیں گرفتار کر کے پانچ سال کی سزا دی گئی قید کے دوران ان پر جسمانی اور روحانی ایذا کا کرب ناک سلسلہ جاری رکھا گیا ان کو قید تنہائی میں ایسی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں رکھا گیا جہاں سورج کی روشنی کا گزر نہ تھا چار ماہ تک انہیں مسلسل ایک پاخانہ میں بند رکھا گیا جہاں وہ بیمار ہو گئے لیکن پھر بھی انہیں بغیر علاج معالجہ کے رکھا گیا بیماری نے انہیں اتنا کمزور کر دیا کہ وہ نماز کے لئے تیمم کرنے سے بھی قاصر تھے ان کی اس حالت کو دیکھ کر ڈاکٹروں نے بتایا کہ وہ موت کی دہلیز تک پہنچ چکے ہیں لیکن پھر بھی اس حق پرست انسان نے اپنے موقف میں ذرا بھی لچک پیدا نہ ہونے دی شاید اس خیال سے کہ وہ مزید صعوبت برداشت کرنے کے قابل نہیں رہے ان کی ایذا رسانی میں کمی کر دی گئی

آج سے کوئی ڈیڑھ سال قبل ان کی قید کو پانچ سال پورے ہو چکے تھے بعض خوش فہم یہ سمجھ بیٹھے کہ اب ان کو رہا کر دیا جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا میعاد پوری ہونے پر ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ تحریری عہد نامہ دیں کہ رہائی کے بعد وہ اپنی پرانی روش سے باز آجائیں گے لیکن ان کا عزم غیر متزلزل اور ارادہ پکا رہا وہ حق کے داعی ہیں اور ان کو احساس ہے کہ حق پرستوں کو اپنی جان مال کی پرواہ کرنا روا نہیں ان کی قید کا چھٹا سال گزر گیا اور کچھ مدت ساتویں سال کی بھی گزر چکی تو عام اعلان ہوا کہ تمام قیدی چھوڑ دئے جائیں گے سوا نو سو قیدیوں کے جن کے بارے میں کہا گیا کہ ان سے سنگین جرائم سرزد ہوئے ہیں اس لئے انہیں چھوڑا نہیں جا سکتا

اس اعلان سے لوگوں میں یہ امید بندھی کہ اب استاد احمد مفتی زادہ ضرور رہائی پا جائیں گے اس لئے کہ انہوں نے سرے سے کسی جرم کا ارتکاب ہی نہیں کیا ہے لیکن یہ آرزو بھی بار در ہوا ثابت ہوئی

چند دن ہوئے کہ اس مجاہد عظیم کو اپنے بھائی کے انتقال کے موقع پر ان کے گھر جانے کی اجازت ملی تھی مرحوم بھائی کے گھر والوں کی درخواست پر ہمارے اس راہنما کو 24 گھنٹے کے پیرول پر چھوڑا گیا تھا گھر والوں نے ان کی حالت زار دیکھی تو ان کے غم و اندوہ میں کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا سب نے دیکھا کہ وہ کمزور اور لاغر ہو کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکے ہیں ان کے ہاتھوں میں رعشہ تھا قوت سماعت بڑی حد تک کم ہو چکی تھی آدھے دانت گر چکے تھے ساتھ ہی اور دیگر امراض لاحق تھے گزشتہ تین ماہ سے ان کی کوئی خبر نہیں مل سکی اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ان پر کیا گزری وہ کہاں رکھے گئے ہیں ان کے صاحبزادے جنہیں پہلے ان سے جیل میں شیشہ کی دیوار کی اوٹ سے دیکھنے اور فون پر بات کرنے کی اجازت مل جاتی تھی معلومات کی غرض سے جیل خانہ گئے تو انہیں استاد احمد کے بارے میں کچھ نہ بتایا گیا

اس داعی الخیر اور مومن صادق اور اصلاح کے علمبردار کو طرح طرح ازیتوں آزمائشوں اور صعوبتوں سے گزارا جا رہا ہے لیکن اب تک ان کے

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

بیٹے کو شیشے کی دیوار کی اوٹ سے بھی ملاقات کی اجازت نہیں

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹ

آخری قسط

علامہ اقبالؒ ۔ اور ۔ فتنۂ جمہوریت

۔ ایک جاہل اور ان پڑھ کا مقام وہ نہیں جو ایک عالم اور ماہر فن کا ہے۔ اسی شئی کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"(علم والے اور جاہل برابر نہیں ہیں۔)"

لیکن اس غیر فطری نظامِ جمہوریت میں جاہل اور عالم ، ماہر فن اور غیر ماہر فن، مفتی اعظم اور ان پڑھ وزیر اعظم اور چوکیدار، سربراہ مملکت اور مڈل پاس چپڑاسی ، سب کی رائے اور ووٹ کی ایک ہی قیمت ہے بلکہ وقت کے قطب اور ابدال اور ایک زانی، شرابی، ایک دانشور اور ایک پاگل کے ووٹ کی ایک ہی حیثیت ہے جو کہ خلاف فطرت اور خلاف علم و دانش بات ہے۔ اس لحاظ سے جمہوریت نہ صرف خلافِ اسلام ہے بلکہ خلافِ علم و دانش بھی ہے جمہوریت کے دلدادہ اگر ووٹ کے معاملہ میں سب انسانوں کو ایک ہی مقام دیتے ہیں تو اپنے روز مرہ کے معاملات میں ہر شخص کی رائے کو ایک حیثیت کیوں نہیں دیتے، معاشرہ میں یہ اونچ نیچ اور چھوٹے بڑے کا تفاوت کیوں قائم کیا ہوا ہے۔ وہاں غیر ماہرِ فن کی رائے کو ماہرِ فن کی رائے کے ساتھ برابری کا درجہ کیوں نہیں دیتے۔ مختلف دفاتر میں افسر اور کلرک کا نشیب و فراز کیوں ہے۔ اسی شئے کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے ؎

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

۱۰۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جمہوریت میں عوام کی یا عوام کی اکثریت کی حکومت ہوتی ہے۔ یہ بھی عوام کے ساتھ ایک فراڈ ہے اور خلافِ اسلام ہونے کے ناطے سادہ لوح عوام کے ساتھ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے حالانکہ جمہوری نظام میں اکثریت کی حکومت نہیں بلکہ اکثر حالتوں میں اقلیت کی حکومت ہوتی ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ جمہوری نظام میں کسی شخص پر کوئی قید نہیں کہ وہ الیکشن میں کھڑا نہیں ہو سکتا بلکہ ہر شہری اس معاملہ میں یک قلم آزاد ہے۔ اب اگر ایک حلقۂ انتخاب میں تین لاکھ ووٹر ہیں اور چھ امیدوار الیکشن میں کھڑے ہوئے تو جو امیدوار پچاس ہزار ایک ووٹ لے جائے گا وہ کامیاب ہے اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اپنے سینے پر ہاتھ مار کر یہ کہتا ہے کہ میں عوام

کا نمائندہ ہوں حالانکہ عوام میں سے دو لاکھ اُنچاس ہزار نو سو ننانوے لوگوں نے اُس عوامی نمائندہ ہونے کے دعویدار کو ووٹ نہیں دیئے۔ لہذا ایک طرف تو عوام کے احتجاج کو یہ کہہ کر تسلی دی جاتی ہے کہ یہ آپ ہی کا نمائندہ ہے۔ آپ ہی کے ووٹوں سے کامیاب ہوا ہے حالانکہ ووٹ تو اُس کو ایک نہایت قلیل تعداد نے دیئے تھے۔ اور دوسری طرف نمائندہ صاحب صرف چونکہ پچاس ہزار ایک ووٹران کے نمائندہ ہیں لہذا وہ ہر معاملہ میں انہی چند آدمیوں کی ہر جائز و ناجائز مدد کرتے ہیں اور اپنے حلقہ کے دوسرے ووٹران کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کو اپنا مخالف تصور کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اُس کو انتخاب میں ووٹ نہیں دیئے تھے اور اس حلقہ کے دوسرے ووٹر جنہوں نے اُس کو ووٹ نہیں دیئے تھے۔ وہ بھی اپنے ذہن میں اُس کو اپنا نمائندہ نہیں سمجھتے۔

(۱۱) جمہوریت میں جمہور کی فرمانروائی اور سیادت تسلیم کی جاتی ہے۔ لیکن یہی چیز جمہوریت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ جمہور کسی مستقل اور پائدار چیز کا نام نہیں بلکہ یہ ایک بڑی لوچدار چیز ہے۔ جو ہر زوردار چیز سے دباؤ کھا کر اپنی شکل بدل دیتی ہے۔ اس سے روٹی، کپڑا اور مکان کا فراڈ کیا جا سکتا ہے۔ اس کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ اس کو لالچ دیا جا سکتا ہے۔ اس کو مشتعل کیا جا سکتا ہے۔ اس کا استحصال کیا جا سکتا ہے۔ ایسی غیر مستقل چیز پر جس ریاست کی بنیاد رکھی جائے گی اس میں نہ تو استقلال و پائداری پائی جا سکتی ہے اور نہ ہی وہ انسانیت کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔

خود پاکستان میں آپ نے گزشتہ سالوں میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ایک شخص نے روٹی، کپڑا اور مکان کا عوام کو دھوکہ دے کر پاکستان کو دولخت کر دیا اور پاکستان میں اپنی ایک ایسی حکومت بنالی جس کے دلائی کیمپ کے ظلم کی داستانیں لوگ ٹیلی ویژن پر لوگوں کو باچشم گریاں سناتے تھے۔ جس میں ملک کی تمام ترقیاتی اسکیمیں رک گئیں اور عوام اُس کے پنجہ ظلم و ستم کے نیچے کراہنے لگے۔ پھر چشم فلک نے وہ زمانہ بھی دیکھا کہ جمہور اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ وہی شخص تختہ دار پر ایک شخص کے قتل کے جرم میں لٹکایا گیا اور کسی آنکھ سے ایک آنسو بھی اس کے افسوس میں نہ گرا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جمہور کوئی پائدار اور مستقل ارادہ نہیں رکھتا کہ اس کے احتجاجی ارادہ کو بنیاد بنا کر کسی ریاست کا نظام حکومت بنایا جائے۔

(۱۲) جمہور کا ادبی، اخلاقی اور نفسیاتی اثرات سے متاثر ہونا یقینی ہے۔ ایسی صورت میں ریاست کے لئے کوئی مستقل

اخلاقی معیار اور قانون کے لئے کوئی پائدار اخلاقی بنیاد نہیں رہتی۔ اگر جمہور کے اندر بڑے بڑے میلانات نشو ونما پانے لگیں تو ریاست اور قانون دونوں جمہور اور ان کے میلانات ہی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ باشندے اگر تباہی کی جانب ایک قدم چلتے ہیں تو ریاست ان کو سو قدم دھکیلتی ہے۔ اس طرح انسانیت کی تباہی و بربادی کا راستہ مختصر ہو جاتا ہے۔ اس کی زندہ مثال دنیا کے سب بڑے جمہوری ملک برطانیہ کی ہے جہاں حکومت نے ہم جنسی کا قانون پاس کر کے لوگوں کو بداخلاقی کے قعر مذلت میں دھکیل دیا۔

(۱۳) جماعتی تعصب اور گروہ بندی بھی جمہوریت کے لئے ایک لازمی اور ضروری شئی ہے ———— اور یہ شئی معاشرہ کے لئے ایک نہایت مہلک شئی ہے۔ اس مہلک مرض کا اثر یہ ہوتا ہے کہ حق گوئی اور حق پسندی کا جوہر اور وصف جو معاشرہ کے لئے ایک روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ لوگوں میں بالکل مفقود ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں قوم کی اخلاقی تباہی یقینی ہو جاتی ہے۔ پھر یہی جماعتی استیلاء اکثریت کے ظلم پر منتج ہوتی ہے جو جمہوریت کی بدترین خصوصیت ہے۔

(۱۴) جمہوریت میں قانون سازی کے اختیارات برسر اقتدار پارٹی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر مملکت کی کل پارٹیاں قانون سازی میں حصہ لیتی ہیں لیکن مرضی اکثریتی پارٹی کی چلتی ہے۔ اس اکثریتی جماعت میں جماعتی نظم کا دہانہ ہر ایک کے منہ پر چڑھا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے حق کا دم اس کے حلق میں گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں اور آمریت میں کچھ فرق باقی نہیں رہتا اور جمہور کا نام محض ایک فریب اور دھوکہ ثابت ہوتا ہے۔

(۱۵) برسر اقتدار پارٹی آخر انسانوں کی پارٹی ہوتی ہے فرشتوں کی جماعت نہیں ہوتی۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین پر اس کے ذاتی رجحانات اور تعصبات کا اثر پڑنا ایک لازمی امر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں عدل و انصاف کا معیار اس اکثریتی پارٹی کے مفاد کے علاوہ کچھ نہیں رہ جاتا۔ پھر یہ معیار بھی قطعاً غیر مستقل ہوتا ہے کیونکہ جب دوسری پارٹی برسر اقتدار آتی ہے تو معیار اور نقطۂ نظر تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں جمہور اور ریاست دونوں کو "امن وعیش" کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہر وقت "جرس بربندید محملها" کی آواز بلند کر رہا ہو۔ برسر اقتدار پارٹی اقلیتی پارٹی کو ہر ممکن طریقے سے دبانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں ان دونوں پارٹیوں کے درمیان نفرت اور تفرقہ کی آگ ہر وقت سلگتی رہتی ہے جس سے بڑے بھیانک نتائج کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔

(۱۶) جمہوری حکومت میں حکومت کا محور صرف معاشیات کو بنانا پڑتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اجتماعی ارادہ جو جمہوری ریاستوں کا طاغوت وسجود ہے انفرادی ارادوں کے اجتماع سے وجود میں آتا ہے۔ اور افراد جب خدا کی عبادت اور بندگی سے آزاد ہوں تو اُن کا منتہائے مقصود صرف نفس و بدن کے مطالبات کو پُورا کرنا ہوتا ہے جو معاشیات کا سرچشمہ ہے۔ بدیں وجہ ہر جمہوری حکومت معاشی مسائل کو اوّلیت اور اولویت کا درجہ دیتی ہے اور حکومت دیگر تمام مسائل کو معاشی مسائل کے تابع سمجھتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ کو معاشیات کے تابع کر دینے کا لازمی نتیجہ حیوانیت اور بہیمیت ہے جس کا مشاہدہ ہم مغربی جمہوری ممالک میں کر رہے ہیں۔ اخلاقی حس کی موت، خدا سے بے نیازی بلکہ بیزاری، مادہ پرستی کا غلبہ یہ سب چیزیں اسی شکم پرستی اور حرص و آز کے لازمی نتائج ہیں جن سے نجات اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک جمہوریت کا وجود دنیا میں باقی ہے۔ اور جب تک معاشیات کے بت کی پرستش اس عالم میں جاری ہے۔ چنانچہ دنیا کے مشہور ملحد جوزف اسٹالن نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

"لوگوں کو روحانیت اور مذہب سے بیگانہ اور متنفر کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اُن کو معاشیات کی جانب زیادہ سے زیادہ متوجہ کر دیا جائے۔"

جمہوری حکومت میں معاشیات کو محور بنانے کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ جمہوریت کے ساتھ نظام سرمایہ داری کا ایک ناقابلِ انقطاع رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں ہر جگہ نظام سرمایہ داری اور نظامِ جمہوری ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کسی ملک میں سیاسی نظام جمہوری ہو اور معاشی نظام سرمایہ داری کے علاوہ کچھ اور ہو۔ اس لئے کہ جمہوریت کے بارہ میں دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہو گی۔

۱۔ جمہوری نظام کے قیام سے قبل ملک میں نظامِ سرمایہ داری موجود ہو۔ اس صورت میں یہ بات یقینی اور قطعی ہے کہ برسرِاقتدار پارٹی یا تو خود سرمایہ دار ہو گی یا سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہو گی۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جمہوری نظام کے قیام کے وقت معاشی نظام سرمایہ دارانہ نہ ہو بلکہ اشتراکی یا کوئی اور ہو۔ ایسی صورت میں یہ لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد نظام معاشی رفتہ رفتہ سرمایہ دارانہ نظام میں تبدیل ہو جائے گا جیسا کہ سوویٹ یونین میں ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں جو جماعت بھی جمہوریت میں اقتدار پر قابض ہو گی وہ سرمایہ پر پُورا قبضہ رکھے گی اور اس میں اپنے مفاد کے مطابق تصرفات کرے گی۔ دوسری بات یہ ہے

کہ ان ملکوں میں اگر شخصی سرمایہ داری تو یقینی ہے جو شخص سرمایہ داری سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔

جمہوریت کی انہی خرابیوں کی وجہ سے اقبالؒ نے جمہوریت کی بڑی شدت سے مخالفت کی کیونکہ وہ اسے عصرِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ تصوّر کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم ایک اچھوتے اور حکیمانہ خیال کی توقع ایسے لوگوں سے کرتے ہو جو جاہل اور پست فطرت ہیں۔ کہاں چیونٹی اور کہاں حضرت سلیمان علیہ السلام۔ ہم ایک چیونٹی سے سیّدنا سلیمان علیہ السلام کی سی ذھانت کی توقع نہیں کر سکتے۔ اس اکاون فیصد والی رواجی جمہوریت کو ترک کر دو۔ کیونکہ گدھے اگر دو سو بھی جمع ہو جائیں تو ان سے ایک انسانی فکر کی توقع نہیں کی جا سکتی ؎

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی
ز موراں شوخیٔ طبعِ سلیمانی نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

ایسی جمہوریت بیکار ہے کیونکہ اس میں ووٹنگ کے ذریعہ افراد کو گنا جاتا ہے۔ ان کی رائے کا وزن نہیں کیا جاتا ؎

اس راز کو اِک مردِ قلندر نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اقبال کی فکر کے مطابق بندوں کو گننے والی جمہوریت میں اکثریت والوں کی رائے بھی اپنی نہیں ہوتی بلکہ چند خود غرض اور بد دیانت دولت مندوں کی رائے ہوتی ہے جس کو وہ اپنی دولت اور اثر و رسوخ کے بل بوتے پر اُن سے ووٹوں کی صورت میں لے آتے ہیں۔ گویا وہ درحقیقت جمہوریت نہیں ہوتی بلکہ بادشاہت اور استبداد کی ایک صورت ہوتی ہے جو جمہوریت کا لباس اوڑھ لیتی ہے۔ چنانچہ علاّمہ فرماتے ہیں ؎

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجالس الاماں!
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ میں جب ابلیس کا ایک مشیر دوسرے کو کہتا ہے کہ تو سلطانیٔ جمہور کے نئے فتنے سے بے خبر ہے۔ یہ فتنہ خیر ہے شر نہیں ؎

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر | تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

تو دُوسرا مشیر جواب دیتا ہے کہ میں سلطانیٔ جمہور کی نئی تحریک سے باخبر ہوں، لیکن وہ تو بادشاہت کا ایک پردہ ہے لہٰذا اس سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ جب آدم اپنی حیثیت سے کسی قدر باخبر ہونے کے بعد بادشاہوں کی غلامی اور استبداد کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہونے لگا تو ہم نے اُسے خود دھوکہ میں مبتلا کرنے کے لئے بادشاہت ہی کو جمہوریت کا لباس پہنا دیا۔ بادشاہت کا کاروبار بادشاہ کے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے۔ بادشاہت کا امتیازی نشان لوٹ کھسوٹ، اور ظلم و جور ہے۔ سو یہ امتیاز ایک جمہوری نظام کے اندر مجلس ملّت، کو بھی حاصل ہے۔ مغرب کا جمہوری نظام دیکھ لو کیا وہ انصاف اور مساوات کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود کمزور قوموں کو غلام بنا کر ان پر چنگیز کی طرح مظالم نہیں ڈھا رہا ؂

ہوں، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے | جو ملوکیت کا اک پردہ ہو اس سے کیا خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس | جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے | یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملّت ہو یا پرویز کا دربار ہو | ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام | چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

اس مقام پر تو علامہ صاحب نے جمہوری نظام کو اشتراکی نظام سے بھی بدتر قرار دیا ہے کیونکہ اس نظام حکومت نے ملوکیت کی رُوح کو قائم کر رکھا ہے، اس لئے ابلیس کے مشیر اس سے بہت زیادہ نہیں گھبراتے۔ لیکن اشتراکی نظامِ حکومت نے اِس رُوح کو بالکل فنا کر دیا ہے اس لئے اس کی مشیر اس سے زیادہ پریشان ہیں اور اضطراب کی حالت میں سوال کرتے ہیں ؂

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب | ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تجلّی وہ مسیح بے صلیب | نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پردہ سوز | مشرق و مغرب کی قوموں کے لئے روزِ حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد | توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

خلاصہ یہ کہ اقبالؔ مغرب کی ایجاد کی ہوئی اکادن فیصد والی غیر فطری جمہوریت کا بالکل قائل نہیں کیونکہ یہ

نظریہ سُراسر اسلام کے نظریۂ سیاسی کے خلاف ہے۔ اسلام میں جمہوریت کا مطلب فقط اتنا ہی ہے کہ مشہورُ معروف دیندار اور تقویٰ کے لحاظ سے ثقہ لوگ جس شخص کو خلیفہ اور سَربراہ مُملکت تسلیم کرلیں اسے مملکت کے سارے لوگ تسلیم کرلیں، اِس صورت میں جو شخص سربراہِ مملکت مقرر ہو اُس کے لئے ضروری ہے کہ اہلِ حل وعقد لوگوں سے مختلف پیچیدہ مسائل پر مشورہ کرکے اُن کو سُلجھائے۔ لیکن اگر وہ ان کی اکثریت کی رائے سے مطمئن نہ ہو تو ضروری نہیں کہ وہ ان کی رائے پر عمل کرے۔ اسکو اختیار ہے کہ چاہے تو کسی کی رائے نہ مانے اور اپنی رائے کے مُطابق کام کرے اور چاہے تو اقلیت کی رائے پر عمل کرے اگر وہ صحیح ہو۔ مگر یہ ضروری ہے کہ خلیفہ کی جو رائے بھی ہو سب اسکی اطاعت کریں اور اس کا حُکم بجا لائیں۔

یہ تو تھا مفکرِ پاکستان علامہ اقبالؒ کا جمہوریت کے بارہ میں نظریہ —— لیکن ان کی فکر کے برعکس پاکستان کے قیام کے بعد وہی دقیانوسی مغربی جمہوریت پاکستان کا سیاسی نظریہ بن گئی ہے جس میں طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی بجائے عوام کو بتایا جاتا ہے۔

اور اسی نہج پر الیکشن کروا مغربی نظریات کو پروان چڑھایا جارہا ہے جو کہ نہ صرف پاکستان کے لئے مضر ہیں بلکہ پاکستان سے سیاسی نظریۂ اسلام کے لئے بھی نقصان دہ ہیں۔ معلوم نہیں یہ ہمارا احساسِ کمتری ہے یا کچھ اور کہ ہم مغرب کے ہر نظریہ کو اسلام کا لیبل لگا کر اپنے ہاں اس کو رائج کرکے بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ پاکستان آج جس قسم کے مسائل اور مصائب میں گرفتار ہے اسکی سب سے بڑی وجہ جمہوریت ہے، کیونکہ ہمارے ملک میں جمہوریت کے ذریعہ کبھی بھی قابل اور اسلامی فکر رکھنے والے لوگ برسرِ اقتدار نہیں آسکتے۔ اور جب تک کرسئ اقتدار پر لائق، قابل، محبِ وطن اور اسلامی فکر رکھنے والے نہیں بیٹھیں گے پاکستان میں نہ تو اسلام آسکتا ہے اور نہ ہی پاکستان حقیقی ترقی کرسکتا ہے۔

جناب مصباح الدین

مرزا غلام احمد قادیانی کی اسلام دشمنی

سُنّت اللہ اور سُنّتِ رسولؐ کی پیروی کرتے ہوئے جیسا کہ مضمون میں ابتداً منافقوں کی پردہ دری سے متعلق قرآن کی آیاتِ کریمہ رقم کر آئے ہیں۔ اسی طرح سے قادیانی منافقین کے خدوخال کو ہم پوری طرح سے منظرِ عام پر لانا ملّی فریضہ سمجھتے ہیں تاکہ ان کی نام نہاد خدمتِ اسلام اور تنظیم کی خوبیوں سے متاثر حضرات بھی بخوبی آگاہ ہو جائیں۔ کہ سے

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی ۔۔۔ کایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

انگریز کا سیاسی نبی] سب سے پہلے ہم مرزا صاحب کے اس دعویٰ پر روشنی ڈالتے ہیں جس کی رُو سے انہوں نے کہا کہ وہ مامور من اللہ تھے جو غلط ہے۔ البتہ وہ مامور من الانگریز تھے جس کا مرزا صاحب کو خود اعتراف بھی ہے۔ ان کی ایک درخواست کا مضمون ملاحظہ ہو۔

"میرا اس درخواست سے جو حضور کی خدمت میں اسماءِ مریدین روانہ کرتا ہوں مدعا یہ ہے کہ اگرچہ میں ان خدماتِ خاصہ کے لحاظ سے جو میں نے اور میرے بزرگوں نے محض صدقِ دل اور اخلاص اور جوشِ وفاداری سے سرکار انگریزی کی خوشنودی کے لئے کی ہیں، عنایتِ خاص کا مستحق ہوں لیکن صرف اتنی التماس ہے کہ وفادار جاں نثار پکے خیر خواہ اور سرکار انگریزی کے خدمت گزار خود کاشتہ کی نسبت حضور بھی اور ماتحت حکام بھی عنایت اور مہربانی کی نظر رکھیں۔"

(درخواست بحضور لیفٹیننٹ گورنر۔ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص ۱۹)

اس درخواست کے کھلے مضمون کے بعد کوئی شک اور شبہ رہ جاتا ہے کہ انگریزوں کا کاشتہ پودا مامور من الانگریز نہ تھا؟

مرزا صاحب کی اسلام کے خلاف خدمات] وہ کن خدمات پر مامور ہوئے تھے۔ اجمالی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) ملّتِ اسلامیہ کی وحدت اور اس کے عالمگیر رشتۂ اخوّت کو فنا کرنا جو رسولِ عربی صلی اللہ

علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی وجہ سے استوار ہے ایک نئی نبوت کا علم بلند کر کے احساسِ مرکزیت کو ناپید کرنے کی سعی کرنا تاکہ قومیت کا تصور مضمحل اور از کار رفتہ ہو جائے اور اس کے افراد ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح منتشر ہو جائیں۔

(۲) دین بازیچۂ اطفال بن جائے۔

(۳) چونکہ اسلامی دنیا میں جھوٹی نبوت کا شجرِ ملعونہ پروان نہیں چڑھ سکتا تھا اس لئے جاسوسی کے جال پھیلا کر مسلم رعایا کو حاکموں سے بغاوت پر آمادہ کرنا انہیں بزدلی کی تبلیغ کرنا اور ہر امکانی کوشش کرنا جس سے اسلامی سلطنتوں پر انگریزوں کا تسلط ہو جائے یا وہ ان کے زیرِ انتداب آ جائیں۔

(۴) مسلمانوں میں حریت کا جذبہ فنا کرنا اور دلنشین کرانا کہ انگریزوں کی محکومی اور غلامی لعنت نہیں ہے بلکہ نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ ان کو تلقین کرنا کہ مسلمان وعظ زبان سے کریں۔ اور اعداء اسلام دہانِ توپ سے۔ مسلمانوں کے فریضۂ جہاد کو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کی معرفت نافذ کرایا تھا باطل اور غلیظ قرار دینا۔ فریضۂ جہاد کو ختم کرنے کی مہم کو الٰہی سند دینے کی خاطر مسیح اور نبی اور کیا کیا کچھ نہ بننا۔

(۵) حکومت وقت کو مسلمانوں سے بدظن رکھنا۔ ان کے خلاف سازشیں کرنا۔ جھوٹی مخبریوں سے ان کو زیرِ عتاب اور تختۂ مشقِ ستم بنوانا۔ حریت و آزادی کے متوالوں کی جاسوسی کر کے انہیں جیل بھجوانا یا تختۂ دار پر لٹکوانا۔

(۶) مسلمانوں کے خلاف حکومت سے چغلیاں کھا کر انہیں ملازمت، جائز حقوق اور ہر فائدہ سے محروم رکھنے کی امکانی کوششیں کرنا۔

(۷) مسلمانوں کی گروہ بندیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی باہمی مخالفت کو ہوا دینا۔ آپس میں لڑوانے کی خفیہ سازشیں کرنا۔

سطورِ بالا میں لکھی ہوئی خدمات مجذوب کی بڑ نہیں ہیں بلکہ قادیانیوں کی اسّی نوّے سالہ سعی پیہم کی نشاندہی ہے جنہیں مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کے قول و عمل سے حرف بہ حرف ثابت کریں گے۔ پہلے ہم ان کڑیوں کو جوڑ کر دکھلاتے ہیں جن میں بندھ کر مرزا غلام احمد صاحب نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔

اس کہانی کا پس منظر یہ ہے:۔ "۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کی ناکامی کے بعد سرزمینِ ہند پر

انگریزوں کا تسلط تو ہوگیا لیکن وہ مسلمانوں سے خائف رہے اور انہوں نے اپنے راج کے استحکام کا راز اس امر میں مضمر سمجھا کہ مسلمانوں کو ہر لحاظ سے مفلوج اور بے دست و پا کر دیا جائے۔ ابتدائی ایام میں ان پر جو مظالم ڈھائے گئے ان کا حال مسلمانوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ خود انگریزوں کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھیں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را   گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

مسلمان کیوں موردِ عتاب رہے؟ اس کی وجہ وہ دو خدشے تھے جو انگریزوں نے مسلمانوں کی طرف سے محسوس کئے تھے۔ ان کو ایک خطرہ تو مسلمانوں کی عالمگیر ملّی وحدت میں نظر آیا جو رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی وجہ سے نہ صرف برصغیر ہند میں استوار تھی بلکہ اس سلک میں ساری دنیائے مسلم منسلک تھے اور مغربی شاطروں کو تجربہ ہوچکا تھا کہ مسلمانوں کا ملّی تشخص اور ان میں باہمی جذبۂ اخوت اس وقت تک نہیں مٹ سکتا جب تک کہ ان کے دلوں میں حُبِّ نبیؐ کی رمق بھی باقی ہے۔ مزید برآں ہند کے اردگرد مسلمانوں کی سلطنتیں بھی واقع تھیں جہاں سے مولانا جمال الدین افغانی جیسے رہنماؤں کی طرف سے اتحادِ اسلامی کی آوازیں اٹھنے لگی تھیں۔ یہ ان آوازوں کا نتیجہ تھا کہ جب مولانا افغانی نے ہند میں قدم رکھا تو نظر بند کر دیئے گئے تاکہ وہ ملک میں اتحادِ اسلامی کا پرچار نہ کرسکیں۔

انگریزوں کے نزدیک دوسرا خطرہ مسلمانوں میں جہاد کا دینی جذبہ تھا۔ یہ جذبہ جب بیدار ہوتا ہے تو مسلمان موت سے کھیلنے لگتا ہے۔ چونکہ آزادی اور حریت ایک مسلمان کے ایمان اور سرشت میں داخل ہے اس لئے بسا اوقات یہ جذبہ معمولی تحریک سے بھی ابھر آتا ہے۔ سر ولیم ہنٹر کی کتاب OUR INDIAN MUSALMANS (اوَر انڈین مسلمانز۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان) اس مسئلہ پر بخوبی روشنی ڈالتی ہے کہ ان ایام میں مسلمانوں میں جاں فروشی کافی تعداد میں موجود تھے اور ان کے دلوں میں احیائے ملت کا جذبہ موجزن تھا۔ بلکہ سرحد کے علاقہ میں مجاہدین دشمنانِ اسلام سے برسرِ پیکار تھے نیز اس وقت یہ بحث بھی چھڑی ہوئی تھی کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔

اسی دَور میں روس نے توسیع پسندی کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ سمرقند و بخارا اور وادیٔ جیحوں و سیحوں اس کا شکار ہوگئے۔ تو روس کا رُخ صاف طور پر ہندوستان کی طرف نظر آنے لگا۔ روسی خطرہ کے پیشِ نظر برطانوی مدبّروں نے مسلم آزار رویّہ میں نہ صرف تبدیلی کی بلکہ مسلمانوں کی حمایت کی

اشد ضرورت محسوس کی۔

جابر قومیں فرضی خطرات کو بھی اہمیت دیتی اور سنگ راہ سمجھتی ہیں اور اکثر فاتح، مفتوح کی قومی برتری اور قوت عمل کو بھی مٹانے کے درپے ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے بغیر غلامی کی زنجیریں مستحکم نہیں ہوسکتیں چنانچہ پہلے وائسرائے کیننگ کے مشیر غلام شاہ فریزر نے برطانوی حکومت کو ان خطرات سے اپنی ایک یادداشت میں مطلع کیا جس کے نتیجہ میں ۱۸۶۹ء میں انگلستان سے دو تحقیقاتی کمیشن ایک سیاسی اور دوسرا مذہبی امور کی تحقیقات کے لئے ہندوستان آئے۔ ان ہر دو کمشنوں نے ۱۸۷۰ء میں ایک مشترکہ رپورٹ اپنی حکومت کو پیش کی (بحوالہ عجمی اسرائیل، ص ۱۹)

اس رپورٹ کی روشنی میں خطرات کا حل یہ تجویز ہوا کہ کسی شخص سے محمد کا حواری نبی ہونے کا دعوے کرایا جائے۔ حکومت اس کی سرپرستی کرے خوف اور لالچ غرض ہر ممکن ذریعہ سے اس نبی کے متبعین کی تعداد بڑھائی جائے۔ اس قسم کی نبوت چل گئی تو کئی فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک فائدہ تو برطانوی اصول DIVIDE & RULE پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کے مطابق ہوگا یعنی ملت اسلامیہ کی وحدت میں شگاف پڑ جائے گا جس کی وجہ سے ایک طرف تو ہند کے مسلمان مذہبی انتشار کا شکار ہو کر آپس میں دست و گریبان رہیں گے۔ اور دوسری طرف وہ بیرون ہند کے مسلمانوں کی مدد دلیوں سے محروم ہو جائیں گے جو ان کو دینی بھائی ہونے کی وجہ سے حاصل ہیں۔ پھر اسی نبی کے ذریعہ فریضہ جہاد کی منسوخی کا بھی اعلان کرا دیا جائے کہ اب دین کی خاطر تلوار اٹھانا حرام ہے۔ مذہب کے نام پر جنگ میں شریک ہونے والا غازی یا شہید نہیں بنے گا۔ بلکہ اس کے برعکس خدا اور رسول کا باغی حرام موت مرنے والا جہنمی شمار ہوگا۔ تیسرا کام اس نبی سے یہ لیا جائے کہ وہ حکومت برطانیہ کو دین پناہ ظل اللہ قرار دے، برطانوی حکومت کی اطاعت کو اطاعت خداوندی کہے اور دلنشین کرا دے کہ اس حکومت کی غلامی سے چھٹکارے کا خیال تو کیا بلکہ اس کی غلامی کو نعمت غیر مترقبہ تصور کریں۔

ان خدمات کے لئے موزوں آدمی کی تلاش شروع ہوئی اور بالآخر مرزا غلام احمد قادیانی نے اس لعنت کے تاج کو زیب سر کر لیا اور اس نے یہ سب خدمات بسر و چشم انجام دیں۔ جن کو ہم ان شواہد و حقائق سے ثابت کرتے ہیں جو خود مرزا صاحب نے فراہم کئے ہیں۔

ایک بزرگ خواجہ احمد صاحب کو لدھیانہ میں مہاراجہ پٹیالہ   نے انگریزوں کی

طرف سے پیش کش کی تھی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں ایمان نہیں بیچ سکتا۔ اس امر کا تذکرہ مرزا غلام احمد کی موجودگی میں ہُوا۔ مرزا صاحب نے مہاراجہ سے مل کر ایمان کا سودا کر لیا۔ یہ بات لطف سے خالی نہیں کہ مرزا صاحب نے اپنے جو الہامی نام رکھے ہیں ان ناموں میں ایک نام امین الملک جے سنگھ بہادر بھی شامل ہے۔ اوّلاً جب یہ نام پڑھا تھا تو حیرت ہوئی تھی کہ انہوں نے کس نسبت سے اس نام کو الہامی کہہ کر اپنایا ہے۔ جبکہ برِصغیر کے کسی راجہ مہاراجہ کا نام انہوں نے نہیں اپنایا۔ اب اس انکشاف سے حقیقت کھلی کہ احسان کا بدلہ چکایا تھا تاکہ مہاراجہ کا قومی لقب جے سنگھ بہادر اور ان کا خطاب امین الملک جو مہاراجہ کو انگریزوں نے دیا تھا۔ دونوں زندہ رہیں اور یہ یاد بھی تازہ رہے کہ نبوت مہاراجہ کی وساطت سے مرزا صاحب کے خداوند انگریز نے عطا کی تھی۔ یہ بھی یاد رہے کہ بیعت کی ابتداء بھی لدھیانہ سے ہوئی اور مسیح ہونے کا اعلان بھی لدھیانہ سے ہُوا تھا مہاراجہ پٹیالہ نے انگریزوں کو نبی چن کر دیا تو مہاراجہ کشمیر نے نبی کا معاون اور اس نبوت کا دماغ حکیم نور دین انگریزوں کو بخشا جو مہاراجہ کے معالج خصوصی تھے مرزا صاحب نے حکیم نور دین کی تعریف میں کہا ہے کہ

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے

کہ مرزا صاحب کو پہلی تصنیف، براہین احمدیہ کی طباعت کے لئے ابتدا میں رقم ریاست پٹیالہ سے ملی تھی۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کا میدان میں آنے کے لیے پہلا قدم اسی کتاب کی اشاعت تھا اور اس کتاب میں مجددیت سے نبوت تک کا سارا منصوبہ مستقوفہ پاتے ہیں جو بتدریج پایۂ تکمیل کو پہنچا تو مہاراجہ پٹیالہ کی معرفت سودے بازی میں شبہ نہیں رہتا۔ مرزا صاحب کی ہر تصنیف میں یہ حوالہ ملیگا کہ فلاں الہام اور فلاں پیشگوئی دیکھ لو۔ براہین احمدیہ میں اسی قدر عرصہ پہلے سے لکھی ہوئی موجود ہے جس کا آج ظہور ہو رہا ہے۔ امداد کیسے ملی؟ مرزا صاحب ظاہر کرتے ہیں

جب میں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ تصنیف کی۔ جو میری پہلی تصنیف ہے تو مجھے یہ مشکل پیش آئی کہ اس کی چھپوائی کے لئے کچھ روپیہ نہ تھا۔ اور میں ایک گمنام آدمی تھا۔ مجھے کسی سے تعارف نہ تھا۔ تب میں نے خدا تعالیٰ کی جناب میں دُعا کی تو یہ (عربی) میں الہام ہوا۔ (ترجمہ) کھجور کے تنا کو ہلا۔ تیرے پر تازہ بتازہ کھجوریں گریں گی۔ چنانچہ میں نے اس پر عمل کرنے کے لئے سب سے اوّل خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر ریاست پٹیالہ

کیطرف خط لکھا پس خدا نے جیسا کہ اس نے وعدہ کیا تھا۔ انکو میری طرف مائل کر دیا اور انہوں نے بلا توقف ڈھائی سو روپیہ بھیج دیا۔ اور دوسری دفعہ ڈھائی سو روپیہ دیا۔

اوراقِ بالا میں ہم روشنی ڈال چکے ہیں کہ اس دور میں سرحد کے علاقہ میں مجاہدین ملک پہ غاصبانہ قبضہ کے خلاف انگریزوں سے سر بکف تھے۔ اور ہندوستان میں ایک ایسی جماعت موجود تھی جو ان کو مالی امداد دے رہی تھی۔ نیز یہ مسئلہ بھی زیر بحث تھا کہ ہندوستان دار الاسلام ہے۔ یا دار الحرب ہے۔ تفاصیل منجملہ متعدد کتابوں کے سر ولیم ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمانیں" موجود ہیں۔ مجاہدین کے خلاف انگریزوں نے ایک طرف ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہوا تھا تو دوسری طرف فریب اور لالچ بھی دے رہے تھے۔ مرزا غلام احمد لکھتے ہیں کہ "ہماری گورنمنٹ کو ۱۸۶۷ء میں ایکٹ نمبر ۲۳ سرحدی اقوام کے غازیانہ خیالات کو روکنے کیلئے جاری کرنا پڑا تھا۔
اور بڑی امید تھی کہ اس سے وارداتیں رک جائیں گی" (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صـ۲۱) لیکن ان سب کاروائیوں کے باوجود سرفروشوں کا جذبہ حریت و جہاد فرد نہ ہو سکا۔

اس وقت کے حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس رپورٹ پر نظر ڈالتے ہیں جس میں حواری نبی کی تجویز ہے تو بے تامل یہ کہنا پڑتا ہے کہ انگلستان کے مدبر اس تجویز کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

بقیہ از صـ۱۰

خلاف کوئی جرم ثابت نہ ہو سکا ان کی قید پر پردہ ڈالنے کے لئے قیدیوں کی فہرست میں ان کا نام تبدیل کر دیا گیا ہے اب ان کا نام بدل کر ملا زادہ کر دیا گیا ہے ایک طرف یہ حال ہے تو دوسری طرف تو وہ (پیپلز) پارٹی کے قیدی جیل خانہ میں آرام کی زندگی گزار رہے ہیں

ہم دنیا کے تمام مسلمانوں سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ فرداً فرداً اپنی تنظیموں اور انجمنوں کی طرف سے ایرانی حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ ہمارے اس عظیم رہنما مجاہد پر سختیوں کا سلسلہ بند کریں ساتھ یہ بھی مطالبہ کریں کہ ایران میں اہل خیر اور داعیان اصلاح کو کام کرنے کی کھلی اجازت دی جائے

جو اس دنیا کی زندگی میں کسی مسلمان بھائی پر پڑنے والی تکلیفوں کو دور کرنے میں ہاتھ بٹائیگا قیامت کے دن اللہ اس پر رحم فرمائے گا

اللہ ان اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے جو اپنے بھائیوں کی مدد کرتے ہیں

ولاحول ولا قوہ الا باللہ العظیم

شہرِ آزر کے ہر بُت پر میرا نام لکھا رکھا ہے!

میں نے اپنے مَن کعبے میں ایک خلیل سجا رکھا ہے
جس نے میرے مصرِ بدن میں امن کا دیپ جلا رکھا ہے

میرے شہر کے بازاروں میں کوئی نہ یوسف بیچ سکا
جس نے شہر کے دروازوں پہ فاتحِ روم بٹھا رکھا ہے

میں نے من کی آشاؤں کو صدیوں یوں قربان کیا
ذرّہ ذرّہ ماہ و انجم خونِ دِل میں رنگا رکھا ہے

اہلِ حرم کی بات نہیں ہے اہلِ عجم بھی واقف ہیں
شہرِ آزر کے ہر بُت پہ میرا نام لکھا رکھا ہے

ابنِ سبا کی سازش ہو یا اشتر کا بے ہنگم جوش
وارثِ عثمانؓ بن سفیانؓ نے سب کا کھوج لگا رکھا ہے

میں نے تیرے من مندر کے سارے پنڈت دیکھ لئے
آگ بدن میں لیکن منہ پہ آل کا نام سجا رکھا ہے

ابنِ علقمی اور خمینی زاغِ دخمہ، زاغِ دشت
لحمِ میتہ کھا کھا کے یہ جن کا رُوپ چڑھا رکھا ہے

سیّد عطاء المحسن بخاری

عطاء الحق قاسمی

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام جب بھی میری زبان پر آتا ہے یا کسی دوسری زبان سے میں یہ نام سنتا ہوں تو ان کے کارناموں کا خیال ذہن میں بعد میں آتا ہے پہلے میں اس لذت اور حلاوت سے ہم کنار ہوتا ہوں جو اپنے خاندان کے کسی عزیز ترین فرد کے محبت بھرے تذکرے کی صورت میں دل و دماغ کو محسوس ہوتی ہے۔ انسان کا بچپن اس کی جوانی اور بڑھاپے کا ساتھی ہوتا ہے چنانچہ اس دور کی یادیں ساری عمر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلتی ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل امرتسر میں ہمارا اور حضرت شاہ صاحبؒ کا گھر ایک ہی محلے میں تھا بلکہ جس گھر میں شاہ صاحبؒ رہتے تھے' وہ والد ماجد مولانا بہاء الحق قاسمیؒ نے اپنے لئے بنایا تھا' شاہ صاحبؒ کو وہ گھر پسند آ گیا چنانچہ والد ماجدؒ نے یہ گھر ان کے لئے خالی کر دیا[1] اور اس کے برابر میں دوسرا گھر تعمیر کر لیا' میں تو اس وقت بہت چھوٹا تھا بلکہ قیام پاکستان کے وقت میری عمر صرف چار سال تھی' والد ماجدؒ بتاتے ہیں کہ دو گھروں کے باوجود ہم ایک ہی گھر کے مکین تھے' ہمارے اور شاہ صاحبؒ کے خاندان کے افراد ایک دوسرے کے گھر میں اسی طرح داخل ہوتے تھے جیسے اپنے گھر میں داخل ہوا جاتا ہے' شاہ صاحبؒ ہمارے لئے تایا تھے اور والد ماجدؒ شاہ صاحبؒ کی اولاد کے لئے حقیقی چچا کی سی حیثیت رکھتے تھے' اس کے علاوہ ایک رشتہ دوسرا بھی تھا' امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ میرے دادا حضرت پیر غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کے عزیز ترین شاگردوں میں سے تھے جبکہ والد ماجدؒ انگریز استعمار اور اس کے قادیانی ایجنٹوں کے خلاف جدوجہد میں حضرت شاہ صاحبؒ کو اپنا راہنما تصور کرتے تھے چنانچہ انگریزوں اور قادیانیوں کے خلاف جدوجہد کے دوران وہ جلسوں اور جیلوں میں بھی ایک دوسرے کے رفیق رہے بلکہ پاکستان بننے کے بعد جب ۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران والد ماجدؒ کو تشدد کے لئے شاہی قلعے لے جایا گیا تو وہاں تفتیشی افسر نے تین دن کی شدید اذیت کے دوران ان سے کہا کہ اگر وہ یہ بیان دے دیں کہ تحریک میں حصہ انہوں نے شاہ صاحبؒ کے اکسانے پر لیا ہے تو ان کی "جان بخشی" ہو سکتی ہے' اس پر والد ماجدؒ نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "تم اس شخص سے یہ بیان لینے کی کوشش کر رہے ہو جس کے نزدیک زندگی اور موت دونوں عطیہ خداوندی ہیں اور تم شاید یہ بھی نہیں جانتے کہ ختم نبوت کا درس شاہ صاحبؒ نے مجھے نہیں دیا بلکہ خود انہوں نے یہ درس میرے خاندان سے لیا ہے' لہٰذا اگر تم چاہو تو ان کے حصے کی سزا بھی مجھے دے سکتے ہو" چنانچہ باقی ماندہ قید کے دوران تفتیشی افسر نے والد ماجدؒ کی یہ خواہش پوری کرنے کی حتی الامکان کوشش کی۔

میں جانتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو ان کی ذات کے حوالے سے جاننے کا یہ بیان قدرے طویل ہو گیا ہے مگر اس بیان کی لذت میں میرا یہ افتخار شامل ہے کہ میں ان کی گود میں کھیلا ہوں' اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ میرے بیان کی اہلیت سے باہر ہے' حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی اور دینی قد کاٹھ کے بارے میں کسی بونے کا کچھ کہنا اچھا نہیں لگتا' میرے منہ سے یہ باتیں کچھ جچتی نہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے انگریز کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے قید و بند کی کس قدر صعوبتیں جھیلیں اپنے آرام کو قربان کیا' سیم و زر کو اپنے پاؤں کی خاک سے بھی کم تر جانا یا یہ کہ آج تک ان سے بڑا خطیب پیدا نہیں ہوا' یہ وہ باتیں ہیں جو تاریخ کا حصہ ہیں اور تاریخ کو عطاء الحق قاسمی کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں۔ قیام پاکستان کے حوالے سے مجھے حضرت شاہ صاحبؒ کے موقف کا علم ہے تاہم اس ضمن میں میرا معاملہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے ان لاکھوں عقیدت مندوں سا ہے جو ساری ساری رات شاہ صاحبؒ کی تقریر پر سر دھنتے تھے مگر صبح ووٹ مسلم لیگ کو دے دیتے تھے' میرے نزدیک مجلس احرار ہندو کی ذہنیت کو سمجھنے میں ٹھوکر کھا گئی تاہم مجلس احرار سے وابستہ علماء کی نیت پر شک کرنا' خود پر شک کرنے کے مترادف ہے۔

[1] یہ مکان حضرت شاہ جیؒ نے خرید لیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد شاہ صاحبؒ نے ایک تقریر میں فرمایا کہ مسجد بن جائے تو اسے ڈھایا نہیں کرتے' اس کی حفاظت کیا کرتے ہیں اور اب پاکستان میرے لئے ایک مسجد کی طرح ہے جس کی حفاظت مجھ پر لازم ہے اور انہوں نے اپنا یہ عزم نبھایا بلکہ ان کی قابل فخر اولاد بھی پاکستان کو اسلام کا حقیقی قلعہ بنانے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ دراصل ایک طویل عرصے کے مشاہدے اور تجربے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلام سے محبت رکھنے والا کوئی بھی شخص پاکستان کا بدخواہ نہیں ہو سکتا چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج اندرون ملک اود بیرون ملک پاکستان کے خلاف جتنی بھی سازشیں ہو رہی ہیں' ان کے پیچھے اسلام دشمن ذہن کارفرما ہے' مجلس احرار اسلام کو قیام پاکستان کے ضمن میں جو اختلاف تھا' وہ بھی اسلام کی محبت ہی میں تھا مگر آج متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کی سب سے "لبرل" جماعت کانگریس' مسلمانوں اور ان سے متعلق ہر چیز کو جس طرح انتقام کا نشانہ بنا رہی ہے' اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مسلم لیگ کی سیاسی بصیرت ایک ڈوبتے سفینے میں سے کم از کم دس کروڑ افراد کو بچا لینے میں کامیاب ہو گئی۔ میرے نزدیک سفینے کے باقی مسافروں کو بھی بچایا جا سکتا ہے بشرطیکہ ہم اتنے طاقتور ہو جائیں کہ موجوں کو سرکشی کی جرات ہی نہ ہو۔ پاکستان کے موجودہ حالات میں یہ بات شاعر کا خواب لگتی ہے مگر ایک شاعرؒ کا خواب ۱۹۴۷ء میں پورا ہو گیا تھا' اس کی باقی حسین تعبیریں بھی انشاءاللہ ایک دن ضرور سامنے آئیں گی۔

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ امیر شریعتؒ کو میں نے اپنی ہوش کی آنکھوں سے نہیں دیکھا کیونکہ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا' انہیں صرف اپنے خاندان کے ایک فرد کے طور پر جانا اور یا پھر انگریز استعمار کو ناکوں چنے چبوانے والے ایک شعلہ نوا خطیب اور ایک عظیم المرتبت حریت پسند کے طور پر' جس نے برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کے لئے راہ ہموار کی۔ البتہ حضرت شاہ صاحبؒ کو میں نے ان کی آخری عمر میں سلطان فونڈری والے قریبی عزیز دوست عارف مرحوم کے گھر دیکھا مگر اس وقت نہ وہ مجھے پہچان سکتے تھے اور نہ میں انہیں پہچان سکتا تھا۔ گھر والے شاہ صاحبؒ کا جو سراپا بیان کرتے تھے یا میں نے ان کی جو تصویریں دیکھی تھیں' انہیں ذہن میں لانے کے بعد میں شاہ صاحبؒ کو پہچاننے میں کامیاب ہوا' یوں انہیں پہچاننے میں مجھے کچھ دیر لگی۔ مجھے یقین ہے کہ خواہ مزید کچھ دیر لگے مگر پاکستانی قوم بھی ایک دن شاہ صاحبؒ کو ضرور پہچانے گی کہ قیام پاکستان کے لئے بالواسطہ طور پر راہ ہموار کرنے والے تحریک آزادی کے یہ رہنما بھی ہمارے محسن ہیں اور اپنے محسنوں کو جو قوم جتنی جلدی پہچانے' اس کے لئے یہ اتنا ہی اچھا ہوتا ہے! (مجلس احرار اسلام لاہور کے زیر اہتمام منعقدہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی برسی میں پڑھا گیا)

(بشکریہ نوائے وقت ملتان ۲۷ر اگست ۱۹۸۹ء)

قمر الحسنین قمر

شیطان تو ہو گا

جہاں اپوا ، ثقافت ہو وہاں حیوان تو ہو گا
جہاں مخلوط صنفیں ہوں وہاں شیطان تو ہو گا
جہاں عجمی قیادت ہو وہاں غلمان تو ہو گا
جہاں جھوٹی سیاست ہو وہاں خفقان تو ہو گا

جاوید الہ آبادی

زمانے کو بدل دیتے ہیں

چٹکیوں میں دل سرکش کو مسل دیتے ہیں
حق نگر فتنۂ باطل کو کچل دیتے ہیں
تم کو زمانے نے بدلا ہے تو کیا اس میں کمال
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

سید محمد ارشد بخاری (ایڈووکیٹ)
احمد پور شرقیہ

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء ایک تاریخ ساز دن

۷ ستمبر! جی ہاں ، ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کے سب سے بڑے قانون ساز ادارے قومی اسمبلی کے اراکین نے متفقہ طور پر ایک قرارداد کے ذریعہ منکرین ختم نبوۃ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف ۱۹۷۴ء میں ہی عوام نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ کیا تھا۔ یا یہ مطالبہ پرانا تھا۔ کیا اس سے پہلے بھی کوئی تحریک اٹھی تھی؟ جس نے عوام کے دلوں میں مرزائیوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر دیئے ہوں؟ — جی ہاں — تحریک اٹھی تھی۔ لیکن کب؟ — کیوں؟

اسے کاش ان سوالات کے جوابات سے نئی نسل کو آگاہ کیا جاتا۔ کوئی مؤرخ اس تحریک کے آغاز سے اختتام تک کے حالات قلمبند کر کے عوام کو اس سے آگاہ کرتا۔ لیکن بدقسمتی تو یہ ہے کہ وہ تاریخ ساز شخصیتیں جن کی کوششوں سے برصغیر کو انگریز سامراج کی غلامی سے نجات ملی اور سارقین ختم نبوت اپنے انجام کو پہنچے۔ انھیں نظر انداز کر دیا گیا اور ظلم کی انتہا تو یہ ہے کہ ان کا ذکر تک غداروں کی طرح کیا جاتا ہے اور جن لوگوں نے اپنی ساری عمر انگریز "بہادر" کی چوکھٹ پر جبہ سائی کی وہ آج راہنما ہیں۔

> نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھئے
> منزل اُنھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

برصغیر میں انگریز تجارت کی غرض سے آیا اور اس ملک کا حکمران بن بیٹھا۔ اپنے جبر اور استبداد کی قوت کے بل بوتے پر اس نے ہندوستان کی آزاد قوم کو غلام بنا لیا۔ آخر قوم کب تک ظلم برداشت کرتی انگریز کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی، مسلمان متحد ہو گئے۔ انگریز کو اپنا اقتدار خطرے میں نظر آیا۔ تو اس نے مسلمانوں کے اتحاد کو ختم کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی۔ جس نے تحقیقات کے بعد اپنی رپورٹ میں لکھا کہ:

"جب تک مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ جہاد موجزن ہے۔ اس قوم کو تسخیر کرنا مشکل نظر آتا ہے نیز یہ کہ مسلمان قوم پیر پرست ہے۔ اگر انھیں میں سے کوئی شخص انگریز کو وفادار مل جائے جو جہاد کو منسوخ

کرے اور نبوت کا اعلان کر دے تو مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا ہو سکتا ہے۔"

چنانچہ انگریز کو قادیان میں ایک شخص غلام احمد نامی مل گیا۔ جس نے اپنے انگریز آقا کے اشارے پر پہلے بعد دیگرے مجدد، محدث، مسیح موعود، ظلی و بروزی نبی اور بالآخر اصلی نبی ہونے کا دعویٰ کر کے اُمتِ محمدیہ میں انتشار پیدا کر دیا جہاد کو منسوخ قرار دیا اور جملہ مسلمانوں کو جو اس کی سرکاری نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے کافر قرار دیا۔ علماء کرام نے تعاقب شروع کیا۔ بہت مناظرے ہوتے — لیکن کب تک؟ — اُسے تو انگریز کی سرپرستی حاصل تھی۔ مناظروں سے کام کیسے چلتا — آخر یہ مرتد جب واصلِ جہنم ہوا تو اس کے چیلے پر پھیلانے لگے۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک شخص جسے اب لوگ امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ میدان میں نکلا۔ جس کی آواز میں جادو تھا اور جس کے سامنے جعلی نبوت کا چراغ بجھتا ہوا نظر آتا تھا جو بولتا تو اس کی تقریر سننے کے لئے پرندے ٹھہر جاتے۔ ہوائیں رک جاتیں۔ وہ شعر پڑھتا تو انسان تو انسان درخت بھی جھومنے لگتے۔

اللہ تعالیٰ کے اس شیر نے اپنے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوۃ کے تحفظ کا عزم کیا۔ وہ میدانِ عمل میں آیا تو اس کے عین شباب کے دنوں ہندوستان کے قصبہ "قادیان" میں جہاں عملاً مرزائیوں کی حکومت تھی وہاں کسی مسلمان کو کاروبار کرنے کی اجازت نہ تھی یہ حالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان باوقار کا شہزادہ امیرِ شریعت آخر کب تک برداشت کرتا۔ امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۳۴ء میں "مجلسِ احرارِ اسلامؒ" کے زیرِ اہتمام "قادیان" میں جلسہ کا پروگرام رکھا۔ اس وقت انگریز اور اس کے خود کاشتہ پودے کے خلاف بولنا دار و رسن کو آواز دینے کے مترادف تھا اور حق بات کہنے کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں لیکن حکومت کی زبردست رکاوٹوں اور تشدد کے باوجود امیرِ شریعتؒ "قادیان" میں داخل ہوئے۔ لاکھوں کے اجتماع سے خطاب کیا۔ جعلی نبوت کے تار و پود بکھیرے اپنے نانا کا سچا دین۔ دینِ اسلام بیان کیا اور وہاں سب سے پہلے مولانا ظفر علی خاں نے ایک قرارداد پیش کی، جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے — اس سب سے پہلے پیش کی جانے والی قرارداد نے بہت کام دیا۔ مسلمان راہنماؤں نے مرزائیت کے فتنہ سے قوم کو آگاہ کیا۔ ڈاکٹر علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا کہ:

(میں نے مرزائیوں کو حضور سرورِ کائنات کے متعلق بے ادب پایا اور آنحضرتؐ کے بارے میں انکی زبان سے گستاخانہ کلمات سنے ہیں۔)

یہ تحریک قادیان سے ۱۹۳۴ء میں اُبھری تھی۔ اب جا بجا جلسے ہونے لگے تھے ملک میں عظیم دینی و سیاسی جماعت "مجلسِ احرارِ اسلامؒ" نے اپنے ہر اسٹیج پر انگریز کے ان ایجنٹوں کی خوب خبر لی۔

پھر پاکستان قائم ہو جانے کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ اسلام کی خاطر وجود میں آنے والے اس ملک میں بغیر کسی مطالبے اور تحریک کے ان غدار مرزائیوں کو عبرتناک سزا دی جاتی تاکہ پھر کوئی مخبوط الحواس شخص نبوۃ کا دعویٰ کرنے کی جرأت نہ کر سکتا۔ لیکن یہاں تو الٹی گنگا بہنے لگی۔ قیام پاکستان سے قبل کئے گئے وعدے فراموش کر دیئے گئے اسلامی اقدار کا مذاق اڑایا گیا۔ دین دوستوں پہ غداری کا لیبل چسپاں کر دیا گیا۔ اور نظم و نسق حکومت کو چلانے کی خاطر جو پہلی کابینہ قائم ہوئی اس میں جوگندر ناتھ منڈل نامی ہندو وزیر قانون تھا اور مرزائی گرو گھنٹال ظفر اللہ وزیر خارجہ۔

ظفر اللہ نے اپنے اس عہدے سے خوب فائدہ اٹھایا اس نے نہ صرف مرزائیت کو فروغ دیا۔ بلکہ مرزائیت نوازی میں اتنا خود سر ہو گیا کہ اس نے اپنے محسن قائد پاکستان جناب محمد علی جناح کا جنازہ تک نہ پڑھا۔ بلکہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہا:

"یا تو مجھے ایک مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھا جائے یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر"

اسی اثنار میں جب مرزائیوں کی سرگرمیاں حد سے بڑھنے لگیں تو ۱۹۵۳ء میں حضرت امیر شریعت سید عطار اللہ شاہ بخاریؒ اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کر میدانِ عمل میں دیوانہ وار کود پڑے۔ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علمار کرام کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کیا اور حکومت کے سامنے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ پیش کیا۔ لیکن حکمرانوں نے ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا اور اس مطالبے کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنی دنیاوی طاقت کے بل بوتے پر اس مقدس تحریک ختم نبوۃ کو دبانے کی کوشش کی۔ لاہور میں مارشل لار لگا دیا گیا۔ بعض اوقات کرفیو لگانے کی نوبت بھی آئی۔ قائدین تحریک کو پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ نہتے عوام پر گولیوں کی بارش کی گئی اور لاہور کی سڑکیں شہیدانِ ختم نبوۃ کے لہو سے سرخ ہو گئیں۔ کئی ماؤں نے اپنی آنکھوں سے اپنے لختِ ہائے جگر کے سینے حکمرانوں کی گولیوں سے چھلنی ہوتے دیکھے تو اُن کی بینائی انہیں خیر باد کہہ گئی۔ کئی دلہنوں کے سہاگ اُجڑ گئے۔ کئی بہنیں اپنے بھائیوں کے انتظار میں بیٹھی انکی راہ دیکھتی رہیں۔ لیکن انکے بھائی تو شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل کر چکے تھے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار افراد اس مقدس تحریک میں شہید ہوئے اور بقول مجاہد ختم نبوۃ آغا شورش کاشمیری مرحوم جس صبح دولتانہ وزارت برخاست کی گئی اس رات گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں سکندر مرزا کا ایک ہی بول تھا:

"مجھے یہ نہ بتاؤ کہ فلاں جگہ ہنگامہ فرو ہو گیا یا فلاں جگہ مظاہرہ ختم کر دیا گیا

مجھے یہ بتاؤ کہ وہاں کتنی لاشیں بچھائی ہیں۔ کوئی گولی بیکار تو نہیں گئی۔"

یہ الفاظ سکندر مرزا کی وحشت و بربریت کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ لیکن حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ "میں نے تحریک ختم نبوۃ ۱۹۵۳ء میں ہر مسلم کے دل میں ایک ایٹم بم چھپا دیا ہے۔ جب وہ وقت پہ پھٹے گا۔ تو مرزائیت اپنی موت آپ مرجائیگی۔"

وقتی طور پر تشدد کے سبب تحریک ختم ہوگئی تو مظلوموں کے زخموں پر نمک پاشی کرنے کے لئے اسے "فسادات پنجاب" کا نام دیکر انکوائری کرائی گئی۔ پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر منیر کی چیئرمین شپ میں کمیشن قائم ہوا۔ لیکن اس کمیشن نے کیا انکوائری کی؟

ڈاکٹر جاوید اقبال خلف الرشید علامہ اقبالؒ اپنی ایک نظریاتی کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو اسلام کیخلاف خود مسلمان ججوں کے قلم سے نکلی ہے اس کی اشاعت روک لی جاتی اس کتاب کا ضبط کیا جانا ہی بہتر ہے آج تک نفسِ اسلام کے خلاف دنیا کے اسلام میں ایسی دستاویز شائع نہیں ہوئی۔ یہ سب سے بڑی تحریر ہے جس میں دو مسلمان ججوں نے مسلمانوں کی رسوائی کا سامان کیا ہے۔"

(تحریک ختم نبوۃ مصنفہ آغا شورش کاشمیری)

جن لوگوں نے اس تحریک کو کچلا تھا وہ بھی ذہنی سکون سے محروم ہوگئے آغا شورش کاشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ مجھے سردار عبدالرب نشتر نے خود بتلایا ہے کہ:

" جن لوگوں نے شیدایانِ ختم نبوۃ کو شہید کیا۔ اور اُن کے خون سے ہولی کھیلی میں اندرونخانہ کے رازدار کی حیثیت سے جانتا ہوں کہ اُن پر کیا بیت رہی ہے؟ اور وہ کن حادثات و سانحات کا شکار رہے ــــ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کا اطمینان سلب کر لیا ہے اور اُنکی روحوں کو سرطان میں مبتلا کر دیا ہے۔"

یہ تو حکمرانوں کا حال تھا لیکن بعض لیڈروں نے بھی حکمرانوں سے اندرخانے مل کر تحریک کو کچلوانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور تحریک کے بعد زور و شور کے ساتھ اس بات کی منادی کی گئی کہ کیونکہ تحریک چلانے والے مخلص نہ تھے اور سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے تحریک کامیاب نہ ہوسکی۔ چودھویں صدی کے خود ساختہ "مجدد" جناب مودودی

صاحب اس بارے میں پیش پیش تھے وہ اپنا دامن بچانے کی خاطر مجلس احرار اسلام اور حضرت شاہ جیؒ کے پاک دامن کو داغدار بنانا چاہتے تھے وہ خود ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک میں شامل تھے۔ لیکن عین وقتِ امتحان پر اپنی سابقہ روایات کے مطابق جواب دے گئے۔ ان کے حوصلے پست ہوگئے اور اُلٹا ہیرو بننے کے خواب دیکھنے لگے تو حضرت امیرِ شریعتؒ نے لائلپور تبلیغ کانفرنس میں خطاب کے دوران ان لوگوں کو للکارا اور کہا:

یا اللہ! تحریکِ ختمِ نبوت میں شمولیت سے اگر میرے دل میں خلوصِ نیت کے علاوہ رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی ایسا خیال تھا کہ تحریکِ ختمِ نبوت کے ذریعے سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے تو مجھ پر اور میرے اہل وعیال پر غضب نازل ہو۔

اس کے بعد فرمایا:

مودودی صاحب کراچی کنونشن میں میرے گھٹنے سے گھٹنہ ملا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی میں راست اقدام کا ریزولیشن پاس ہوا جس پر سیکڑوں علماء سمیت انہوں نے دستخط کئے اور وہ کاغذ منیر انکوائری کمیٹی میں بھی پیش ہو چکا ہے۔ وہ آخر دم تک تحریک میں شامل رہے اگر وہ کہتے ہیں کہ وہ تحریک میں شامل نہیں تھے تو میں انہیں "دعوتِ مباہلہ دیتا ہوں" اس کے باوجود یہ لوگ خاموش نہ ہوئے اور یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ آخر تحریک میں شہید ہونیوالوں کا ذمہ دار کون ہے؟ ان کے لہو کا جوابدہ کون بنے گا۔ تو حضرت امیرِ شریعتؒ نے ببانگ دہل اعلان کیا کہ "جو لوگ تحریکِ ختمِ نبوۃ میں جہاں تہاں شہید ہوئے اُن کے خون کا جوابدہ میں ہوں۔ وہ عشقِ رسالت میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبۂ شہادت میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے ہیں اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں۔ اُن سے کہتا ہوں کہ حشر کے دن بھی ان کے خون کا میں ذمہ دار ہوں گا۔ وہ عشقِ نبوتؐ میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ ہوگئے لیکن ختمِ نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ آخر حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی تو اسی ختمِ نبوت کے تحفظ کی خاطر نبوت کی گوشمالی کے لئے ہوتے دس ہزار حافظ قرآن صحابہ کرامؓ شہید کرا دیئے تھے۔"

——— شاہ جیؒ کے اس دارِ فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد بلاشبہ اس تحریک کو دھچکا سا لگا لیکن احرار کارکن کہا کرتے تھے کہ:

شاہ جی کی وفات کے بعد ہم یتیم ضرور ہو گئے ہیں مگر بے غیرت نہیں ہوئے۔"

وقت گزرتا گیا اور پاکستان کی تمام سیاسی و دینی جماعتوں نے مسئلہ ختمِ نبوت سے اغماض برتا وہ اسے بڑا نازک مسئلہ کہہ کر ٹالتی رہیں۔ صرف ایک دینی و سیاسی جماعت "مجلسِ احرار اسلام" باقی تھی جس نے اپنے آپ کو مسئلہ ختمِ نبوت سے وابستہ رکھا یہ جماعت اور ختمِ نبوت کا تحفظ لازم و ملزوم بن گئے۔ حالات نے پلٹا کھایا تو وہ وقت بھی آن پہنچا جب اس ملک میں برسرِ اقتدار پارٹی کے غیر جمہوری ہتھکنڈوں کے سبب اُسے زیر کرنے کی خاطر یہاں کی تمام سیاسی جماعتوں نے "متحدہ جمہوری محاذ" قائم کیا لیکن جب مجلس احرار کا تحریک پر جمہوری محاذ نے اپنے پروگرام میں مسئلہ ختمِ نبوت کو شامل نہ کیا تو مجلسِ احرار اسلام محاذ سے علیحدہ ہو گئی اب صرف احرار ہی باقی تھے۔ جنہوں نے ہر محاذ پر مرزائیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ امیر شریعتؒ کے بعد ان کے چاروں فرزند جو عالم باعمل اور حافظ قرآن ہیں اور اپنی شعلہ بیانیوں سے ختمِ نبوّت کے چراغ کو روشن رکھا۔ حتیٰ کہ ایک دن شاہ جیؒ کے فرزند اکبر مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری نے نام نہاد مذہبی افراد سے جلسۂ عام میں کہہ دیا کہ مسئلہ ختمِ نبوۃ پر مولویوں کی اجارہ داری نہیں اب یہ مسئلہ مسجد اور مدرسے سے نکل کر سکول۔ کالج اور یونیورسٹیوں میں پہنچ چکا ہے اور انشاءاللہ یہ مسئلہ گلیوں۔ کوچوں۔ سڑکوں سے گزرتا ہوا ایوانِ اقتدار تک ضرور پہنچے گا اور شہدائے ختمِ نبوۃ کا سرخ لہو ضرور رنگ لائے گا۔ آپ نے جذباتی انداز میں ایک بصیرت افروز مدلّل تقریر میں نوجوانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"نوجوانو! تحریکِ ختمِ نبوت کی چابیاں تمہارے ہاتھوں میں ہیں تالہ کھول دو، نہیں کھلتا تو توڑ دو"

جانشینِ امیر شریعت کے یہ الفاظ الہامی ثابت ہوئے اور ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے سٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء کو تشدد کا نشانہ بنا کر مرزائیوں نے اپنے لئے خود آگ کا گڑھا تیار کیا۔ یہ خبر پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ ہر شہر میں ہنگامے ہوئے ہڑتالیں ہوئیں جلسے منعقد کئے گئے اور بعض جگہوں پر پولیس جوتوں سمیت مساجد میں گھسی۔ ختمِ نبوت کے پروانوں کو اپنی لاٹھیوں کا نشانہ بنایا۔ گرفتاریاں بھی ہوئیں لیکن علمبردارانِ توحید و ختمِ نبوت کو نہ خریدا جا سکا۔ مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ وزراء نے اس کے خلاف بیان دیئے دوسری طرف تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں نے "مجلسِ عمل برائے تحریک ختمِ نبوۃ" قائم کی۔ طالب علم تنظیموں نے جلسہ ہائے عام منعقد کئے۔ تحریک طلباء اسلام کی طرف سے ملک کے کونے کونے میں جلسے کئے گئے تحریک کے

مرکزی صدر ملک ربنواز چنیوٹی۔ ناظم اعلیٰ محمد عباس نجمی ناظم نشریات محمد یوسف سیال۔ عبداللطیف خالد چیمہ عبدالکریم قمر سید کفیل بخاری۔ راقم اور دوسرے کارکنوں نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خصوصاً ملک ربنواز چنیوٹی پر کئی ایک مقدمات قائم ہوئے وہ کئی بار جیل گئے۔ ایک صوبائی وزیر بے تدبیر نے ان کا سر قلم کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا لیکن ؎ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے

بالآخر عوامی مطالبہ کے سامنے حکومت کو جھکنا پڑا اور پھر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں شہدائے ختم نبوت ۱۹۵۳ء کا خون بے گناہی رنگ لایا۔ امیر شریعتؒ کی محنت ثمر لائی اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

اس سلسلہ میں مجلس احرار کی جدوجہد کو تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔ خود جماعت اسلامی کے رہنما اور قومی اسمبلی کے سابق رکن جناب پروفیسر عبدالغفور نے رحیم یار خان میں انہی دنوں ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"مسئلہ ختم نبوۃ کی کامیابی مجلس احرار اسلام کی گزشتہ چالیس سالہ مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے" (بحوالہ نوائے وقت۔ لاہور)

اس طرح آج کے دن ——— مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دیکر ان کے نام بابیوں، بہائیوں، سکھوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کی فہرست میں داخل کر دیئے گئے اور بقول کسے ؎

مرزائیوں کا نام ذرا دیر سے مٹا
حق کے جلال سے یہی ایک ڈھیل ہو گئی

یہ مجلس احرار اسلام کے زعماء اور تحریک تحفظ ختم نبوۃ کے مخلص و ایثار پیشہ کارکنوں کی قربانیوں کا ہی نتیجہ تھا کہ پھر یہ مسئلہ ہر دل کی دھڑکن بن گیا اور تحریک تحفظ ختم نبوت میں برابر جوش و جذبہ پیدا ہوتا گیا تا آنکہ ۱۹۸۴ء میں جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے دور میں امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری ہوا جسے اسمبلی نے منظور کر کے آئین کا حصہ بنا دیا اور آج مرزائی نہ تو اسلام کی تبلیغ کے نام پر کوئی دھوکہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی اسلامی شعائر اپنا سکتے ہیں۔ ربوہ میں مسلمانوں کے سب سے پہلے تبلیغی مرکز اور سب سے پہلی جامع مسجد "مسجد احرار" میں محاسبۂ مرزائیت کا کام پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے جاری و ساری ہے۔ مجلس احرار اسلام کے شعبہ تبلیغ "تحریک تحفظ ختم نبوۃ" کی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ برطانیہ میں بھی ختم نبوت مشن قائم ہو چکا ہے۔ ملک بھر میں سات دینی مدرسے اس مشن کے تحفظ و بقا کی محنت مسلسل میں مصروف ہیں مرزا طاہر فرار ہو کر لندن جا بیٹھا ہے۔

ہم اپنے اسلاف کے سامنے سربلند ہیں اور انکی روحیں ہم پر نازاں ہیں جب تک احرار زندہ ہیں عقیدہ

جہانِ نسواں

آپا ھندہ

پچاس برس پہلے

بیالیس سال پہلے جب میں ۱۲ برس کی تھی تو ہماری سماجی اقدار اور انسانی رویے کچھ یوں تھے۔

ماں باپ، چچا ماموں، پھوپھا خالو، نانی نانا، دادا دادی خاندان میں نہایت باعزت رشتے سمجھے جاتے تھے ان کی بات گویا برادری کے مسائل میں حرفِ آخر ہوتی تھی اور برادریاں ایسے بزرگوں میں سے کسی ایک کی فیصلہ کن بات پر ہزار قالب دیک جان ہو جاتی تھیں۔

ہم نوجوان لڑکیاں اور لڑکے تو بڑوں کی مجلس میں بیٹھ کر صرف کچھ سیکھا کرتے تھے۔ اور اگر مسائل کے حل میں رکاوٹ پیدا ہوتی تو بڑے ادب سے بزرگوں سے اجازت لیکر کوئی مختصر بات کہہ دیتے وہ قابلِ قبول ہوتی تو تحسین و آفرین کیا تھ قبول کر لیتے ورنہ خاموشی اختیار کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے رشتہ داروں میں کچھ لوگ بہت مالدار تھے اور یہ اصول ہے کہ جہاں سرمایہ ہوگا وہاں تہذیبی روایات بھی سرمایہ داری کے بدلتے رجحانات کے ماتحت بدلتی رہیں گی۔ چنانچہ ہمارے ان رشتہ داروں نے بھی اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے کی راہ اپنا لی تھی میرے والد صاحب مرحوم نے مجھے ان سے پردہ کا حکم دیا والد صاحب سے زیادہ میری والدہ صاحبہ نے زیادہ سختی سے اپنے عزیزوں کو کہا کہ آواز دیئے بغیر اندر مت آیا کرو کچھ عرصہ تو وہ آتے جاتے رہے۔ مگر پھر ان کی آمد و رفت رک گئی میں اپنے چھٹپنے کے باوجود سوچا کرتی تھی کہ نجانے خالہ جی نے آنا جانا کیوں چھوڑ دیا اور بہن بھائی بھی کئی کئی مہینے نظر نہ آتے یہ بات میری سمجھ میں نہ آتی لیکن جیسے جیسے شعور کی وادی میں اترتی گئی۔ یہ گتھیاں سلجھتی گئیں پھر ایک روز

خالہ جی آئیں تو انہوں نے اماں جی سے بڑے زور طریقے سے گلہ کیا کہ تم نے میرے بچوں کو غلط سمجھا اور ان سے اپنی بیٹی کا پردہ کروالیا اماں جی نے کہا کہ بہن اس میں غصہ کی کونسی بات ہے میں دیکھ رہی ہوں دن بدن آپ کے گھر کے حالات بدل رہے ہیں بچوں نے ڈاڑھیاں منڈوادی ہیں نماز کے قریب تک نہیں جاتے فلموں کے شوقین ہیں۔ بازاروں میں بھی گھوما گھامی کرتے ہیں یہ باتیں مجھے ہرگز اچھی نہیں لگتیں اس لئے میں نے مناسب یہی سمجھا کہ فاصلہ رکھا جاتے —— دوسری بات یہ ہے کہ رشتہ داری تو مجھ سے ہے نا۔ اور میری وجہ سے میری اولاد آپ اور ان بچوں کی رشتہ دار ہے۔ میرے بچوں کی وجہ سے رشتہ داری نہیں ہے وہ مجھے نہیں ملتے تو ان کے کیا لگتے ہیں آپ بھی تو شہر میں رہتی ہوتی ایک سال بعد آئی ہیں آخر یہ بھی کیا بات ہوتی بجائے اس کے کہ آپ اپنے بچوں کو یہ بات سمجھائیں آپ نے انہیں شہ دی ہے اور ان کی نظروں میں مجھے قصور وار ٹھہرایا ہے آپ کی عقل کو کیا ہوا؟

آپ کو وہ دن یاد نہیں جب ہم گھر میں بیٹھی چہ خاکات رہیں تھیں اور محلہ کی بہت سی لڑکیاں بھی اس روز ہمارے ہاں جمع ہو کر چہ خاکات رہی تھیں (جسے ہم پنجابی میں "ربھورہ" کہتے ہیں) تو تایا حافظ جی صاحب مرحوم گھر تشریف لائے مگر ہم سب ہنستی کھیلتی اپنے کام میں میں لگی ہوئی تھیں تقریباً سب کے سروں پر سے دوپٹے سرک گئے تھے لیکن ہم ایسی گم تھیں کہ ان کا پتہ تک نہ چل سکا وہ بھی کچھ دیر خاموشی سے چارپائی پر بیٹھے ہمیں دیکھتے رہے پھر اچانک انہوں نے ایک زوردار کھنگورا "مارا ہم ٹھٹھک گئیں میں نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو انہوں نے سر کی طرف اشارہ کر کے متوجہ کیا پھر کیا تھا ہم احساس ندامت میں ڈوب گئیں اور یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ نہ جانے تایا جی کب سے ہمیں اس حالت میں دیکھ رہے تھے وہ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ ہم میں سے تمہیں وہ تھیں جو کئی روز تک شرم کے مارے سامنے نہ آتی تھیں کہ مبادا تایا جان جو تم سے بہت پیار کرتے تھے اس دانستہ حرکت پر ملامت کریں۔ اور آج یہ تم ہی نئی پٹی پڑھانے کے لئے آ بیٹھی ہو یہ تمہارا قصور نہیں یہ نتیجہ ہے

بڑی حیثیت والوں کی سنگت کا اور یہ شیخ صاحب کی دولت بہو سے کھلنے ملنے کا۔ تمہارے پاس دولت کیا آئی کہ تم نے تمام رویّوں کو تبدیل کر لیا ہے۔ خالہ جی سٹپٹا اٹھیں اور صرف اتنا کہا کہ آپا اب بس کرو، بہت ہو گئی، تم ٹھیک کہتی ہو اس میں میرا بھی قصور ہے یہ جو آپ کے بھائی صاحب ہیں انہوں نے مجھے بڑے لوگوں کی حرام خور فیشن ایبل بیگمات کے ہاں آنے جانے پر مجبور کیا ان کا بڑا وسیع کاروبار ہے ایک انگریز افسر اور اس کی بیوی بھی ان کے ہاں آتی جاتی تھی میں تو شروع شروع میں ویسی ہی تھی لیکن یہ کہنے لگے تم نے میری ناک کٹوا دی میں نے کہا کیا ہوا۔ کیا شکایت ہے مجھ سے؟ تو کہنے لگے میں دوسری شادی کر لوں گا جو نئے طریقوں سے آشنا ہو گی تم تو بس ایسی ہی ہو میں نے ان کی اس خواہش کو پورا کیا ہے۔ اب آپ بتائیں ایک طرف تو آپ کہتی ہیں کہ حضور پاک علیہ السلام کا حکم ہے کہ خاوند کی مکمل اطاعت کرو اور اب جو اطاعت کی ہے تو ڈانٹ رہی ہیں۔ میں کہاں جاؤں کیا کروں۔ یہ کہہ کر خالہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور برسوں کا بند آج ٹوٹ گیا۔ اماں جی نے بڑھ کر گلے لگا لیا منہ چوما تسلیاں دیں اور کہا تم بالکل صحیح کہتی ہو یہ خورشید صاحب کے سرمایہ دارانہ مزاج کی برائی ہے تم صحیح کہتی ہو تمہارے لئے بہت مشکل ہے لیکن صدیقہ ایک بات یاد رکھو ہمیں اللہ اور اس کے پاک رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم یہ دیا ہے کہ خاوندوں کے وہ حکم جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام سے نہ ٹکراتے ہوں وہ پورے کئے جائیں شوہروں کے وہ مطالبات جن کی تعمیل سے اللہ اور رسولؐ ناراض ہوتے ہوں ہرگز ہرگز ہمیں ماننے کا حکم نہیں ہے اور جو شوہر اللہ و رسول کی نافرمانی میں خوش ہوتا ہے اس سے دامن کشی بہتر ہے بلکہ میں تو کہتی ہوں علیحدگی بہتر ہے خاوند کی ناراضگی، غصہ، اور غضب کے مقابلہ میں اللہ و رسولؐ کی ناراضگی قبول نہ قابل برداشت ہے شوہر صاحب چھوڑے جا سکتے ہیں اللہ و رسولؐ کو نہیں چھوڑا جا سکتا آخر تم نے ہمت کر کے اسے کیوں قائل نہ کیا۔ آدمی تو پڑھا لکھا اور دھیمے مزاج کا ہے

قصہ کوتاہ خالہ جی نے یہ تمام تقریر ازبر کی۔ اور ہمارے خالو جی کو اسی شام "فل ڈوز" دیدی

خالو جی منہ سے تو کچھ نہ بولے تیسرے دن مع بیگم کے آدھمکے۔

خالو جی آج کئی ماہ بعد ہمارے گھر آتے تھے۔ مجھے ان سے بہت پیار تھا میں لپٹ کے خوب رؤئی اور بہت سا گلہ کیا کہ خالو جی ہم لوگ چونکہ غریب ہیں اور آپ سرمایہ دار اور آپ کے ملنے والے بھی سرمایہ دار بڑے بڑے لوگ ہیں اس لئے ہم سے ملنا آپ پسند نہیں کرتے خالو جی چونک اٹھے جیسے میں نے ان کی دکھتی رگ پر نشتر لگا دیا ہو۔ نہیں نہیں بیٹی میں ان لوگوں میں سے نہیں میری کاروباری مصروفیات ہیں میں نے بات ہی کاٹ لی اور کہا کہ شیخ قمر حسین کے تو ہر تیسرے چوتھے جا براجمان ہوتے ہیں ایک انگریز افسر کے دربار میں روز شام کو چوکی بھرتے ہیں۔ سیٹھ غلام حسین کی ولائتی بہو سے ملنے بال بچوں سمیت ہر ہفتہ چلے جاتے ہیں نہیں وقت ملتا تو ہم سے ملنے کو نہیں ملتا اماں جی نے بھی میری تائید کی۔ بس پھر کیا تھا خالو جی پھٹ پڑے کہ آپ لوگ زمانے کے ساتھ نہیں چلتے آپ سے کون ملے نہ آپ فیشن کریں نہ لوگوں کے ہاں آنا جانا نہ آپکے گھر میں بیٹھنے اٹھنے کے لئے کوئی معقول جگہ ا اس چوکی پر کون آ کے بیٹھے گا۔ بھابی کچھ تو انصاف کرو۔ اماں جی کا ضبط بھی جاتا رہا اور وہ چیخ اٹھیں.. خورشید تمہاری پسند و ناپسند اور تمہارے ملنے والوں کی خواہشات کا میں احترام کروں اور جس نے تمہیں اور ہمیں پیدا کیا جسم و جان بخشی حسن و جمال دیا مال دیا عزت و آبرو بخشی اس کی پسند کا احترام نہ کروں اس کی بات نہ مانوں اور تمہارے لئے اس کی ناراضگی مول لوں اپنے آباؤ اجداد کی محنت اکارت کروں اپنی خاندانی اور سماجی روایات کو پامال کر دوں یہ مجھ سے تو ہرگز نہ ہوگا۔ میں مرنے کے بعد اس کے جواب کی ہمت نہیں رکھتی تم میں ہمت ہے تو تم خوشی سے اس راستہ پر چلتے چلو میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ مجھے معاف رکھو۔ نہیں نہیں بھابی آپ تو ناراض ہو گئیں میرا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ آپ روایات کو پامال کریں لیکن کچھ نہ کچھ تو ہم آہنگی پیدا کریں تاکہ لوگ ہم سے وحشت زدہ نہ ہوں بلکہ ہم کو اپنے برابر کا آدمی سمجھ کر ہم سے ملیں۔ خورشید بھائی پھر وہی بات۔ یہ کچھ نہ کچھ ہم آہنگی کا کیا مطلب؟ بات تو وہی ہے کہ لوگ ہماری روایتی اور سچی اقدار کا احترام نہ کریں ہم انکی روز بروز بدلنے والی اور جھوٹی خواہشوں پر دم دیدیں۔ جس نے ہم سے ملنا ہے بحیثیت انسان کے ملے اور ہمارے اقدار کی عزت و بقار کا خیال کرتے ہوئے ملے

اس روز باتیں تو اِدھر اُدھر کی بھی بہت ہوئیں مگر خالو جی تمام وقت ہمہ تن گوش لیکن سوچوں میں گم، چپ چاپ بیٹھے رہے۔ خالہ جی برقعہ پہن کر دروازے تک پہنچ گئیں۔ مگر خالو جی وہیں بیٹھے تھے۔ آخر اماں جی نے دو تین آوازیں دیں تو وہ چونک کر بولے جی آیا۔ اوہ، میں آ رہا ہوں۔ میں اور اماں جی نے انہیں رخصت کر کے واپس اپنے کمرے میں آئے تو رات کافی بھیگ چکی تھی۔ ہم سو گئے۔ چھوٹے بہن بھائی پہلے ہی سو گئے تھے چند دنوں بعد خالہ تمام بال بچوں سمیت ہمارے ہاں آئیں اور اس طرح ان کی تو جیسے کایا پلٹ گئی تھی۔ خالو جی کی چھوٹی خشخشی ڈاڑھی اب مسنون ہو چکی تھی۔ باجی قمر النساء کی ٹیڑھی ٹانگ سیدھی بھائیوں کی چھوٹی چھوٹی خوبصورت ڈاڑھیاں سرخ و سفید چہروں پر سجی ہوئی تھی۔ اماں جی نے مجھے آواز دی صالحہ تم کہاں ہو دیکھو اللہ کے رنگ آج تمہارے خالو، خالہ بہن اور بھائی زندگی کی درست سمت میں داخل ہو گئے ہیں آؤ بیٹی ان سے ملو اور اکٹھے کھانے کا بھی بندوبست کرو۔ کھانے پر بیٹھے تو اس کا مزہ ہی اور تھا۔ اور وہیں بیٹھے بیٹھے گفتگو کا آغاز ہو گیا تو خالو جی نے دورانِ گفتگو بتایا کہ مجھے اس جدید راہ پر ڈالنے والا وہ انگریز جوڑا تھا وہ دونوں خاوند بیوی صاف اردو بولتے تھے ہر نشست اور ملاقات میں وہ ہماری پسماندگی اور دقیانوسیت کا طعنہ دیا کرتے تھے اور اس میں تبدیلی لانے کا پروگرام بناتے تھے۔ یہ جتنی ماڈرن فیملیاں میرے گرد ہوتی تھیں وہ اُسی جوڑے کی کد و کاوش کا نتیجہ تھا۔ بھابی کو اللہ جزائے خیر دے انہوں نے میری آنکھیں کھول دیں کہ میں نے جو کچھ بھی تبدیلی پیدا کی تھی وہ صرف اس جوڑے اور اس کے حلقہ احباب سے۔ برابری اور مماثلت پیدا کرنے کے لئے اور اس غلط فہمی کی بنیاد پر کہ یہی بڑے لوگ ہیں۔ لیکن جب بھابی نے یہ کہا کہ ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لئے اللہ و رسولؐ کی پسند کو چھوڑنا ہی بنیادی غلطی ہے اور اسی سے سماجی روایات پامال ہوتی ہیں۔ اور معاشرتی رویے مجروح ہوتے ہیں تو میں نے گھر جا کر مسلسل اِس فقرے کے تناظر میں جھانکا خوب غور و فکر کیا تو بات میری سمجھ میں آ گئی کہ یورپ نے ہماری سیاسی زندگی چھین کر پوری طاقت اس بات پر لگا دی ہے

کہ ہم اپنی روایتوں اور دینی احکام سے منہ موڑلیں ان سے ناطہ توڑلیں اور لٹیروں اور کافروں کی ڈگر پر چل کھڑے ہوں میں سمجھتا ہوں جدید تہذیب کا کوئی کنارہ ہی نہیں یہ کہیں ٹھہرتی نہیں۔ لیکن ہمارے رسول مقبول علیہ السلام نے جو تہذیب ہمیں بخشی ہے اس کا ہر ہر رخ روشن اور ہر ہر نقش انمٹ ہے۔

خالو بول رہے تھے اور ساتھ کے ساتھ اماں کے تائیدی تبصرے تشریح و اجمال کا کام دے رہے تھے۔ اس روز گویا خالو کی طبیعت بھی حاضر تھی۔ محفل جمی اور خوب جمی۔ ڈھیروں باتیں ہوئیں خالو کے اعترافات، فہمائشوں اور کتابی قسم کی گفتگو کا تو رنگ ہی دیدنی تھا۔ میں حیران بھی ہو رہی تھی اور مسرور بھی خصوصاً جب علامہ اقبالؒ کے حوالے سے خالو نے کہا کہ:

تمام انسانی رویے جو کسی بھی اعلیٰ سماج کو جنم دے سکتے ہیں تہذیبِ مصطفوی میں زندہ ہیں ہر زمان و مکاں میں یکساں طور پر معاشرہ کی نشو و نما کرتے ہیں اس مقدس تہذیب کی بنیاد ، ہمدردی اور محبتِ انسانی پر ہے اور تہذیب جدید کی بنیاد خود غرضی، خود پسندی، پیسہ پرستی اور تمام انسانوں سے خود کو ماورا سمجھنے کی بنیاد پر ہے اس میں سیپریشن ہے اجتماعیت نہیں۔ تو اس سمے خالو مجھے بالکل پروفیسر معلوم ہوئے۔

اب تک مجھے حجاب مانع رہا تھا لیکن اس موقع پر رہا نہ گیا تو میں نے جھٹ ظفر علی خان کا شعر سنا ڈالا کہ ؎

تہذیبِ نو کے منہ پر وہ تھپڑ رسید کر
جو ایسی مال زادی کا حلیہ بگاڑ دے

سب چونکے اور ایکدم کھلکھلا دیئے۔ گویا بات مکمل ہوگئی تھی۔

یہ جُگ بیت گیا ہے

شیطاں ناچ رہا ہے
یزداں کانپ رہا ہے
مجھ کو ایسے لگتا ہے ، یہ جُگ بیت گیا ہے

کلجگ میرے چاروں جانب ، تاریکی کے سائے ھیں
اس بستی کے رہنے والے جور و جفا کے جائے ھیں
یہ کذب و دغا کے پالے ہیں۔
تہذیب نبیؐ سے بیگانے ہیں اور کفر کے یہ متوالے ھیں
ان کے دل کی دنیا میں تو سٹیفن، لُشش اور للے ھیں
تیز زبانیں، چہرے روشن، دل کے کھوٹے کالے ھیں
بستی والو تم نے ان سے کیسی آس لگا رکھی ھے
ان کی دیوی نے تو دل میں اگنی دیوی سجا رکھی ھے
اس نے چاروں اُور کی دھرتی
راون نام چڑھا رکھی ھے
اس کی آشا پاپ سندرتا
اس کا آدرش ہے کلبیر
ہر پاؤں میں ایک ڈنڈا بیڑی
ہاتھوں میں زنجیر
قربان تیرے راج پاٹ کے
راج ھے بے نظیر!

قمر الحسنین قمر

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

ساغر صدیقی مرحوم

ایک حسّاس اور رنگین نوا شاعر

کوئی تیس سال اُدھر کی بات ہے۔ لاہور میو ہسپتال روڈ پر۔ اخبار فروش یونین کے دفتر میں بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں کی یاد میں جلسہ منعقد ہوا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد ساغر صدیقی کا نام پکارا گیا۔ ایک خراب حال شخص اسٹیج پر آیا۔ نہایت دلآویز ترنّم میں غزل سنائی۔ پوری محفل پھڑک اٹھی اور شاعر داد و تحسین کے پھول سمیٹتے ہوئے غزل والا میلا سا کاغذ بڑی بے نیازی سے سٹیج پر پھینک کر چلتا بنا۔

اس کے بعد میں نے ساغر صدیقی کو اکثر سرکلر روڈ کے ساتھ ساتھ شاہ عالمی اور لوہاری گیٹ کے درمیان پائیں باغ میں۔ پانی والے مٹکوں کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ٹوٹے ہوئے بازو کو پھٹی پرانی چادر میں چھپائے۔ کاغذ کے بوسیدہ ٹکڑوں پر شعروں کے موتی رولتا رہتا۔ آج جب اُسے دنیا سے گئے ہوئے پندرہ سال ہو گئے ہیں میں نے اس مختصر سے مضمون میں اسکی میلی کچیلی چادر کی رعنائیاں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

ساغر صدیقی کا اصل نام محمد اختر تھا۔ ۸ جنوری ۱۹۲۸ء کی صبح انبالہ میں آنکھ کھولی۔ بچپن سہارنپور میں گزرا ماں باپ کی شفقت سے محرومی تو قسمت میں تھی ہی۔ کسی بہن بھائی کا بھی کوئی پتہ نہیں چلتا والد کا نام محمد عمر اور والدہ کا نام شاہجہان تھا۔ ننھیال کی طرف سے ساغر کا رشتہ دہلی سے جا ملتا ہے ــــ

ساغر بارہ سال کی عمر تک اپنے پہلے استاد حبیب حسن کے ساتھ رہے۔ آٹھ سال کی عمر میں لکھائی پڑھائی میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ اُس وقت کے اُردو روزنامے "زمیندار۔ احسان۔ انقلاب" اُن کے زیر مطالعہ رہے جوانی کے آغاز میں انور صابری۔ ڈاکٹر تاثیر۔ تاجور نجیب آبادی عرش امرتسری شمس مینائی۔ فرخ امرتسری۔ مرزا بیغا خان اور حسینی امرتسری کے ساتھ مشاعروں میں شرکت کی۔ جلیانوالہ باغ میں انگریزی حکومت کے خلاف نظمیں پڑھیں۔ پہلے ناصر حجازی تخلص کرتے تھے پھر ساغر صدیقی ہو گئے۔

ادبی حلقوں میں امین گیلانی۔ نفیس خلیلی ظہیر کاشمیری۔ احمد راہی۔ مرزا جانباز سے دوستی رہی حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری ساحر لدھیانوی۔ نریش کمار شاد۔ لطیف انور گورداسپوری۔ سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری سے بھی کافی ربط ضبط تھا۔

۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں ساغر نے کئی ترانے لکھے۔ زہر آرزو۔ غم بہار۔ لوحِ جنوں۔ شیشۂ دل، شب آگہی مقتلِ گل۔ سبز گنبد جیسی مشہور کتابوں کی محفل میں ساغر چھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ساغر کا ایک ایک شعر قلم بیچنے والے انجمن ستائش باہمی کے نام نہاد و بلند قامت شاعروں کے ایک ایک دیوان پر حاوی ہے۔ اس کے کلام میں شدتِ احساس اور ندرتِ خیال کے ساتھ ساتھ متانت اظہار بھی پائی جاتی ہے۔

حفیظ جالندھری کہتے ہیں :-

"ساغر صدیقی ایک بہت ہی ہونہار غزل گو تھا۔ جو کچھ ساغر سے میں نے سنا ہے وہ بہت سے موجودہ غزل لکھنے والوں سے برتر ہے۔"

طفیل دارا لکھتے ہیں :-

"ساغر صدیقی غزل کی جملہ خصوصیات و روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے زمانے کے جیتے جاگتے تقاضوں کی رُوح کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں سمو کر پیش کرتا ہے۔"

محمد عبداللہ قریشی رقمطراز ہیں :-

"لاہور کی سڑکوں پر ایک سانولے رنگ کا آدمی اکثر سیاہ چادر اوڑھے۔ بال بکھیرے، گریبان کھولے سگرٹ کے دھوئیں اُڑاتا ننگے سر ننگے پاؤں اپنے حال میں مست دیوانہ وار چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ یہی ساغر صدیقی ہے جسے آوارہ شاعر کہا جاتا ہے۔ فلمی لوگ گھیر گھار کر اسے لے جاتے اور چند سکوں کے عوض اس کے دماغ کا رس نچوڑ لیتے ہیں۔"

شفیق مرزا کہتے ہیں :

"قدرت نے ساغر کو ذہنی لطافت کی دولت سے اس حد تک مالا مال کیا تھا کہ اُس نے حُسن کو ہر رنگ میں دیکھا اور تڑپ کر رہ گیا۔ محبت بھی کی اور فراق کی ٹیسیں بھی جھیلیں ۔
رات کی رانی کا جھونکا تھا کسی کی یاد میں ۔ دیر تک آنگن میں میرے احساس کا مہکا رہا

یونس ادیب لکھتے ہیں :-

"ساغر اس انسان کش سماج میں انسان سے انسان کے پیار کا آرزومند تھا۔ وہ ایک جوہر خاص تھا۔ انسان کی توہین اور بے چارگی پر تڑپ اٹھتا تھا۔ اُس کی زندگی کا ہر پل

اس کی ذہنی پاکیزگی اور فکری روحانیت کا گواہ ہے۔ وہ ذاتی دکھوں کی جلتی ہوئی گزرگاہ پہ اجتماعی دکھوں کا نمائندہ تھا۔"

اظہر غوری کی رائے میں :

"ساغر درحقیقت مغائرت کی ایسی تمثیل ہیں جس کی وساطت سے ہم انسان کے آئیڈیل کی شکست کے بعد ظہور پذیر نفسیاتی عوامل سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ وہ افراد معاشرہ میں کسی ہمدم اور غمگسار انسان کے ہمیشہ متلاشی رہے۔ اُنکے فکری اور داخلی تجربات نے شاعری میں قلب ماہیت کی اور دنیا میں جنم لینے والے بے بس انسانوں کی ہچکی اور گریہ کو طشت از بام کیا۔ ساغر کی شاعری میں فنی سطح پر اس نوع کی رعائیت کا قرینہ موجود ہے کہ شعری ادب میں انھیں ایک ممتاز مقام پر متمکن کیا جانا۔ اُردو ادب کی حیثیت سے کے لئے ہیش لازم ہے۔"

سلیم کاشر، ساغر صدیقی کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں :

وسدا وسدا شہر ادب دا ، اک ویرانہ ہویا اے
شہر خموشاں دے دل یار دا کون روانہ ہویا اے؟
جیوندے جی تے میلی چکڑ چادر لک دو اے سی
مرکے چٹا کفن پیا تے پیر یگانہ ہویا اے
ہُن ڈھیری تے کتبہ لاؤ ، پانویں پھُل چڑھاندے رہو!
جو مویا اوہ جھوٹیاں رسماں توں بیگانہ ہویا اے
جیوندا ساں تے گھر دے چلہے اگ کسے وی بالی نہ
دیوے بالن قبر تے کٹھا بڑا زمانہ ہویا اے

ساغر نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ مرنے سے پندرہ بیس سال پہلے ساغر اچھا خاصا خوبرو خوش پوش نوجوان تھا۔ جان کو ایسا روگ لگایا کہ جوانی برباد ہو کے رہ گئی۔ اور آخر کار دورِ حاضر کا یہ عظیم غزل گو جس نے ساری زندگی بے نیازی میں بسر کی۔ ۲۰ جولائی ۱۹۷۴ء کو راہی ملکِ بقا ہوا۔

ساغر کے اپنے الفاظ میں :

اس منزلِ حیات سے گزرے ہیں اس طرح ۔ جیسے کوئی غبار کسی کارواں کے ساتھ

منتخب کلام :

ہم فقیروں سے گفتگو کر لو !
گُر بتا دیں گے بادشاہی کے

یاد رکھنا ہماری تُربت کو !
قرض ہے تم پر چار پھولوں کا

معبدوں کے چراغ گل کر دو
قلب انسان میں اندھیرا ہے

دوشِ ساغر نے تکیہ بنایا اُنہیں
جتنے پتھر گرے اُن کی دیوار سے

بارہا دیکھا ہے ساغر رہگذرِ عشق میں
کارواں کے ساتھ اکثر رہنما ہوتا نہیں

اشک پیتے رہے ہم ۔ کسی اور کو
مے پلاتی رہی رات بھر چاندنی

تلاشِ منزل کے مرحلوں میں یہ حادثہ اک عجیب دیکھا
فریب راہوں میں بیٹھ جاتا ہے سوئے اعتبار بن کر

یہ اور بات کہ تم آئے ہو تو کوئی نہیں
وگرنہ غم یہاں بے شمار رہتے ہیں

ساقی مجھے بھی چاہیئے اک جامِ آرزو
کتنے لگیں گے دام ذرا آنکھ تو ملا

سفینہ لے چلا ہے کس مخالف سمت کو ظالم
ذرا ملاح کو سمجھائیے ۔ برسات کے دن ہیں

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغبان ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

ساقی نے جھوٹ بولا ہے فصلِ بہار کا
گلشن میں صرف آپ کی انگڑائیاں ملیں

ہائے شہیدِ ناز کی تربت پہ رونقیں
مدھم سی اک شمع ہے دو سوگوار پھول

میں نے پلکوں سے درِ یار پہ دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

جس عہد میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی
اُس عہد کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے

میرے دامن میں شراروں کے سوا کچھ بھی نہیں
آپ پھولوں کے خریدار نظر آتے ہیں

کل جنہیں چھو نہ سکتی تھی فرشتوں کی نظر
آج وہ رونقِ بازار نظر آتے ہیں

یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں زرتابی قباؤں میں
سحر کا نام لیکر رات کی تعلیم دیتے ہیں

ہم نے جن کیلئے راہوں میں بچھایا تھا لہو
ہم سے کہتے ہیں وہی ۔ عہدِ وفا یاد نہیں

ہے اہتمامِ گریہ و ماتم چمن چمن
رکھے ہیں مقتلوں میں جنازے سجے ہوئے

تری محفل میں ساغر سا بھی کوئی اجنبی ہو گا
یہ ظالم ایک مدت سے نہ اپنا ہے نہ بیگانہ

زردار توقع رکھتا ہے نادار کی گاڑھی محنت پہ
مزدور یہاں بھی دیوانے ذیشان یہاں بھی اندھے ہیں

بے رنگ شفق سی ڈھلتی ہے بے نور سویرے ہوتے ہیں
شاعر کا تصور بھوکا ہے سلطان یہاں بھی اندھے ہیں

ہر قدم پہ زندگی کی آبرو خطرے میں ہے
ظلمتوں کے قافلے دیکھے ہیں مہ پاروں کے ساتھ

مفلسوں پہ ہنس رہی ہیں عظمتیں ابلیس کی
اور خدا کی رحمتیں منسوب زرداروں کے ساتھ

سر برہنہ عابدہ کمخواب و ریشم کے بغیر
ناچتی ہے عاصمہ سکوں کی جھنکاروں کے ساتھ

کبھی تو آؤ کبھی تو بیٹھو کبھی تو دیکھو کبھی تو پوچھو!
تمہاری بستی میں ہم فقیروں کا حال کیوں سوگوار سا ہے

کچھ لوگ بچھا کر کانٹوں کو گلشن کی توقع رکھتے ہیں
شعلوں کو ہوائیں دے دے کر ساون کی توقع رکھتے ہیں

راہزن آدمی۔ راہنما آدمی
بارہا بن چکا ہے خدا آدمی

صبح دم چاند کی رخصتی کا سماں
جس طرح بحر میں ڈوبتا آدمی

کوئی آیا ہے نہ آئیگا دلِ ناداں کبھی
میرے دروازے کا پردہ تو سدا ہلتا رہا

تیز رو چلتے ہیں ساغر قافلے اس نام سے
رہنماؤں سے ہمیشہ راہزن اچھا رہا

بستی سے دور چل کہیں اے پاسِ وضعِ زیست
مر بھی گئے تو چادرِ صحرا بری نہیں

یہ جگنوؤں کی چمک سے بھی اب سنبھال لیتے ہیں اپنا دامن
مجھے یقیں ہے کہ ڈر گئے ہیں شبِ چراغاں سے لوگ ساقی!

خادم حسین شیخ

زبان میری ہے بات اُنکی

❋ شیعہ سنّی کمیٹیاں قائم کرنے سے لگتا ہے جیسے ایک گروہ امام کو مانتا ہے اور دوسرا نہیں (نصرت بھٹو)

"جی ہاں! ایک گروہ امام کو خدا کا درجہ دیتا ہے اور دوسرا اُنہیں خدا کے سامنے محتاجِ محض مانتا ہے۔"

❋ مرجاؤں گا لیکن پیپلز پارٹی میں شامل نہیں ہوں گا۔ (جتوئی)

"مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔"

❋ اسیرانِ جمہوریت کی بحالی میں تاخیر اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ جب حکومت نے سیاسی قیدیوں کی بحالی کے لئے درخواستیں طلب کیں تو بہت سے جرائم پیشہ لوگوں نے بھی درخواستیں دے دیں جس کی وجہ سے مشکلات پیدا ہو گئیں۔ (وزیراعظم کی پولیٹیکل سکریٹری مس ناہید خان)

"جرائم پیشہ لوگ اگر پیپلز پارٹی کے کارکن بن جائیں تو اسیرانِ جمہوریت خود بخود بن جائیں گے۔"

❋ ابھی غزل کہنے کے حالات پیدا نہیں ہوئے (نوابزادہ نصراللہ)

لیجئے طرح مصرح حاضر ہے پچ حقہ کرے گُڑ گُڑ چلم کرے چترائی

❋ ایئر مارشل شربت علی چنگیزی نے سوئی ناردرن گیس کمپنی لمیٹڈ کے چیف ایگزیکٹو کا عہدہ سنبھال لیا (ایک خبر)

"اندھا بلنٹے ریوڑیاں پھر اپنے ہی کو دے"

❋ "میرا لونگ گواچا" میں دراصل میں جمہوریت کے گم ہونے کا ماتم کر رہی تھی۔
(مسرت نذیر جسے تمغۂ حسنِ کارکردگی دیا گیا ہے)

"کیا ٹھمک ٹھمک کر ماتم کیا تھا۔"

❋ بم دھماکہ جمہوریت دشمنوں کی بزدلانہ کوشش ہے (بینظیر بھٹو)

"اور ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء سے پہلے یہی عمل جمہوریت دوستوں کی بہادرانہ کوشش تھی۔"

❁ حج کے دوران تیل نکلنے کی دعا مانگی جو فوراً قبول ہوگئی (جہانگیر بدر)

"حج کرنے گئے تھے یا تیل لینے گئے تھے"؟

❁ میں نے بھٹو کو بیرون ملک چلے جانے کا مشورہ دیا تھا (کھر)

"اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"

❁ حکومتِ مصر کا تختہ الٹنے کی سازش ناکام۔ ۴۱ شیعہ ڈاکٹر، انجنیئر اور طلبہ گرفتار (ایک خبر)

"شیعہ سنی بھائی بھائی کا نعرہ لگانے والے مذہبی برہمنوں کے لئے لمحۂ فکریہ!"

❁ میں وزارت کا بھوکا نہیں۔ نواز شریف دوسروں کو وزیر بنائیں (رانا پھول محمد)

"مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے"

❁ صدر اور وزیر اعظم کے مسلمان ہونے کی شرط غیر ضروری ہے۔ (یحییٰ بختیار)

دراصل یحییٰ بختیار کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں۔ (اٹارنی جنرل)

❁ میں نے کبھی وزیر اعظم کیساتھ ملاقات سے انکار نہیں کیا۔ نواز شریف سے بھی ملاقات کو بے عزتی نہیں سمجھتا۔ (کھر)

"عدو سے ملتے ہو چھپ چھپ کر رات کو ہم سے — یوں رات دن مرے دل پر اٹیک کرتے ہو
طریقِ حسن فروشی کا یہ نہیں اچھا! — خدا کی مار ہو تم پر بلیک کرتے ہو!"

❁ ابھی بڑا وقت ہے۔ وزیر اعظم کی دگنی عمر بھی صدر سے کم ہے۔ ہم نے ان کو صدر سوچ سمجھ کر بنایا تھا یا غلطی کی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر ہمیں ختم نہیں کیا جا سکتا۔ (یحییٰ بختیار)

"اقتدار کا گھمنڈ اور شراب کا نشہ یکساں قدر و قیمت کی چیز ہے"

❁ مرتضیٰ بھٹو نے پہلے حادثے (بہاولپور) کی ذمہ داری قبول کی پھر مکر گئے۔ کیونکہ امریکی سفیر بھی ہلاک ہوا تھا۔ اور امریکہ کی مدد سے پیپلز پارٹی کو اقتدار ملا۔ (اعجاز الحق)

ان میں اتنی جرأت کہاں کہ شہید پاپا کی طرح جلسہ عام میں اپنی شراب نوشی پر فخر کریں

❁ پشاور میں دو مریضوں کی صحیح سلامت ٹانگوں پر پلستر چڑھا دیئے گئے۔ دونوں کی ٹانگوں کے ایکسرے ایک دوسرے سے بدل گئے۔ (ایک خبر)

"کسی کو دیکھ کے ساقی کے ایسے ہوش اُڑے   کہ شراب سیخ پہ ڈالی، کباب شیشے میں"

❋ پیپلز پارٹی ملک میں خاندانی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے (قاضی حسین احمد)

"خاندانی لوگوں کا یہی شیوہ رہا ہے۔"

❋ قوم نے اپنی منزل شناخت اور راہوں کا تعین کر لیا ہے۔ فوج سمیت رستہ روکنے والی ہر قوت پاش پاش ہو جائیگی۔ (جنرل بیگ)

"ایک دنیا جانتی ہے اک جہاں ہے آشنا۔ اپنے منہ سے میں وفا کی داستاں کیوں کر کہوں۔"

❋ اسلامی اتحاد اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آیا ہے۔ (فخر زماں)

"لو وہ بھی کہہ رہے ہیں یہ بے ننگ و نام ہے۔"

❋ پیپلز پارٹی کو غلام اسحٰق پسند نہیں تھے تو وہ نصرؔ کو ووٹ دے دیتی۔ (شیخ رشید)

"مجھے تو ہے منظور۔ مجنوں کو لیلیٰ   پسند اپنی اپنی۔ خیال اپنا اپنا۔"

❋ میری غیر ملکی معشوقہ جوانی میں زہر کھا کر اپنی محبت پر قربان ہو گئی۔ (جی ایم سیّد)

"المدد! یا پوستِ جاناں سر میرا کھجلائے ہے!"

❋ پیپلز پارٹی کھر کو پنجاب کا گورنر بنا رہی ہے (ایک خبر)

"میر کیا خوب سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب۔ اُسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں۔"

❋ اُوپر صدر اسحٰق ہیں کبھی دستخط کرتے ہیں کبھی نہیں..... ابھی ضیاء کی باقیات موجود ہیں (نصرت بھٹو)
اسیران جمہوریت صدر کی وجہ سے رہا نہیں ہو سکے (فخر زمان)

"تراشے سینکڑوں اصنام عہدِ حاضر کے آذر نے   خلیلِ وقت تیری نرالشی دیکھی نہیں جاتی۔"

❋ امریکہ میں گوری سے عشق ––– کرنے پر کالے کی پٹائی۔ (ایک خبر)

"غلط فہمی کا فیشن سے ازالہ ہو نہیں سکتا۔ کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا۔"

❋ ضیاء کی برسی پر لوٹ کھسوٹ کا پیسہ خرچ ہوا۔ سرفروشوں کا اجتماع لاڑکانہ میں ہوگا۔
(موچی دروازہ میں کھیتران۔ پرویز علیشاہ شیخ رفیق اور سلمان تاثیر کا خطاب)

"ہجوم عاشقاں دیکھا جو دروازے پہ وہ بولے۔ ہمیں یہ ٹیم آل انڈیا معلوم ہوتی ہے۔"

ظفر اقبال فاروقی
لاہور

بیادِ امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

"جناح ہال لاہور میں ایک عظیم اجتماع"

"ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری، مجیب الرحمان شامی، جانباز مرزا، مولانا سعید الرحمان علوی، مولانا عبد القادر آزاد، عطاء الحق قاسمی اور دیگر مقررین کا خراجِ تحسین"

مجلس احرارِ اسلام لاہور کے زیرِ اہتمام ۲۱ اگست کو جناح ہال میں بانی احرار، مؤسسِ تحریک تحفظِ ختم نبوت
عالمی
بطلِ حریت حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی اٹھائیسویں برسی کے موقع پر ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا جو رات گئے تک جاری رہا۔ اجتماع کی صدارت حکیم محمد صدیق تارڑ نے کی اور قائد تحریک ختم نبوت ابنِ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ مہمانِ خصوصی تھے۔ ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ محبانِ امیرِ شریعت دُور دُور سے کشاں کشاں یہاں جمع ہوئے۔ آپ کی شخصیت اتنی ہمہ گیر ہے کہ ہر مکتبۂ فکر کے افراد متاثر ہی نہیں مدّاح بھی ہیں۔ مختلف فکر و نظر کے حامل علماء اور دانشوروں نے حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ جناب سید سلیمان گیلانی کی نظم نے سامعین میں ایک خاص جذبہ و جوش اور ولولہ و کیف پیدا کر دیا۔

مہمانِ خصوصی مولانا سید عطاء المحسن نے اپنے خطاب میں فرمایا:

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر میں دینی انقلاب کے قیام اور حکومتِ الٰہیہ کے نفاذ کے داعی تھے۔ انہوں نے اپنی جماعت مجلس احرارِ اسلام کے پلیٹ فارم پر ایسے بہادر، جری اور سچے کارکنوں اور رہنماؤں کو جمع کر لیا تھا جو صرف اللہ سے ڈرتے تھے۔ شاہ جی اور اُن کے عظیم رفقاء کا ایک ہی عزم تھا کہ اس خطّہ سے انگریزی اقتدار کا ٹاٹ ہمیشہ کے لئے لپیٹ دیا جائیگا۔ آج ایک دنیا اُن کے سچے اور کھرے کردار پر شاہد عدل ہے کہ انہوں نے اپنا قول اپنے عمل سے سچا کر دکھایا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور اُنکی جماعت مجلس احرارِ اسلام کا ہر فرد شخصیت سازی تقدس مآبی اور مفاد پرستی سے یکسر بے نیاز تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کیلئے کیا۔ انکی تمام توانائیاں اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے وقف تھیں شاہ جیؒ اور اُن کے مخلص رفقاء نے کبھی مفاہمت کے مورچہ میں بیٹھ کر اسلام کا نام نہیں لیا وہ تمام عمر کفر و شرک کے خلاف مزاحمت کے مورچہ میں بیٹھ کر جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا

ضمیر فروشوں خوشامدیوں، آنریری مخبروں اور انگریز کے ٹاؤڈیوں کو برسرِ میدان للکارا۔ اُن کی للکار سے بزدلوں کے چہرے زرد ہو جاتے اور عشاق کا یہ قافلہ جس سمت بھی رواں ہوتا، غدار راستہ چھوڑ دیتے۔ شاہ ولی اللہ سے عطاء اللہ شاہ تک اس قافلے کے ہر فرد نے اپنے مفادات قربان کر کے مستقبل کے تحفظات سے بے پروا ہو کر اور گلشنِ دین کے تحفظ کے لئے مورچہ بند ہو کر عظیم جدوجہد کی ہے وہ سب کے سب دین کے بے لوث سپاہی تھے۔ مجلسِ احرارِ اسلام کے رہنماؤں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر دین، ملک اور قوم کی بے پناہ خدمت کی ہے۔ احرار میں کوئی بھی دولت سے پیار کرنے والا نہیں تھا۔ جو دولت والا اس قافلۂ حریت میں شامل ہوا اس نے اپنی دولت اور مفادات دین پر قربان کرنے میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کی۔ ضیغمِ احرار شیخ حسام الدین مرحوم نے لاکھوں روپے کا کلیم چھوڑ کر اپنے کٹیا نما مکان میں رہنا پسند کیا۔ مفکرِ احرار چوہدری افضل حق نے زمینداری اور تھانیداری کو خیرباد کہہ کے جیل اور دکھوں بھری زندگی بسر کرنے میں راحت محسوس کی۔ افضل حق کے گھر عید کے روز بھی کھانے کیلئے کچھ نہ ہوتا تھا۔ مولانا گل شیر نے کالا باغ اور دوسرے جاگیرداروں کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں کے دلوں سے انسانوں کی غلامی کا مکروہ نظریہ نکال باہر پھینکا اس جرم حق کی پاداش میں وہ جاگیرداروں کے ظلم کا شکار ہو کر شہید کر دیئے گئے۔ ہزاروں احرار رضا کاروں کا خون حصولِ آزادی کی جدوجہد کی نذر ہوا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری فرمایا کرتے تھے:

"ہم سے بڑا بدنصیب بھی کوئی ہو گا کہ جب ملک تقسیم ہو رہا تھا ہم نے کہا یوں تقسیم نہ کرو، انہوں نے کہا یونہی تقسیم کریں گے اور جب یہ ملک توڑیں گے۔ ہم کہیں گے اِس ملک کو بچالو۔ مگر یہ ملک توڑ کر دم لیں گے"

زندگی کے آخری ایام میں جب مختلف الخیال لوگ شاہ جیؒ کے پاس آ کر ملک کے حالات کا رونا روتے اور اُن کی رائے پوچھتے تو وہ فرماتے:

"وارث شاہ نے بھی ایک پاکستان بنایا ہے" یہ کہہ کر وہ دیوار پہ آویزاں فریم میں لکھے ہوئے وارث شاہ کے اشعار پڑھنے کے لئے کہتے:

بیڑی کاغذ دی تے باندر ملاح بنیا — آتا ہے گھلیا پور لنگھا دنے نوں
دیکھو عقل شعور جو ماریا نے — طعمہ باز دے ہتھ پھڑا دنے نوں
گدھاجواں دے ڈھیر دا ہویا راکھا — دانے ککڑاں دے پاس سکا دنے نوں
گدڑ کھریاں تے جمادار ہویا — اُٹھ گھلیا باغ لگا دنے نوں

مفاد پرست سیاسی گداگر اور مفاہمت کر کے دولت سمیٹنے والے شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید محمد قاسم نانوتوی، شیخ الہند، عبید اللہ سندھی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام لینا چھوڑ دیں وہ ہرگز ان کے وارث نہیں۔ ہم ہی اپنے ان مائیہ ناز اسلاف کے حقیقی وارث ہیں اور ہم ہی ہیں جو مفاد پرست مذہبی اجارہ داروں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں۔ یہی ہمارے وارث اور حق ہونے کی سچی دلیل ہے۔

شاہ ولی اللہ سے عطاء اللہ شاہ تک اس قافلہ حق و صداقت کی تحریک کا ایک ہی اُصول تھا کہ نفاذِ اسلام کے دو ہی راستے ہیں:

۱۔ تبلیغ ۔ ۲۔ جہاد ۔ جب سے علماء نے ان راستوں کو چھوڑ کر مغربی جمہوری راستے کو اختیار کیا ہے وہ اپنا وقار بھی کھو چکے ہیں اور انتشار سے بھی دوچار ہو رہے ہیں۔ آئیے بھولا ہوا سبق پھر سے یاد کریں اپنے حق پرست اسلاف کے سچے جذبے کے امین بنیں اور متحد ہو کر صرف اور صرف نفاذِ دین کی جہدِ مسلسل کا آغاز کریں اور بہارِ رفتہ کو پھر سے حیاتِ نو عطا کریں۔ یہی مجلس احرار اسلام کا نصب العین ہے امیر شریعتؒ کا پیغام ہے اور اسلاف کا کردار ہے۔

مجیب الرحمان شامی

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ایسی شخصیت نہیں جنہیں فراموش کیا جا سکے۔ نہ تو وہ کسی تعارف کے محتاج ہیں اور نہ خراجِ تحسین کے۔ وہ اپنی مثال آپ ہیں وہ اگر انگریز سے جنگ نہ کرتے تو آزادی کا سورج اس دھرتی پر کبھی طلوع نہ ہوتا شاہ جی معمولی انسان نہ تھے وہ دلوں پر حکمران تھے۔

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں — یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

شاہ جی کی شخصیت تحریک پاکستان کے دوسرے مخالفین سے بالکل مختلف ہے۔ وہ تحریک پاکستان کے ہمنواؤں میں نہیں تھے مگر یہ بھی ایک بہت بڑی حقیقت اور انکی عظمت ہے کہ جب پاکستان قائم ہو گیا تو انہوں نے

برملا اس کی حمایت اور تحفظ کا اعلان فرمایا۔

نظریہ پاکستان کیا ہے ؟ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ محمد رسول اللہ ۔ شاہ جی نظریہ سے کبھی اختلاف نہیں کر سکتے تھے۔ تقسیم کے مسئلہ پر انکی، انکی جماعت مجلس احرار اور رفقاء کی ایک رائے تھی اور اس مسئلہ پر رائے کا اختلاف کوئی کفر نہیں نہ کوئی جرم ہے ۔

افسوس یہ ہے کہ ہم نے اُن لوگوں کو سرکاری سطح پر بھلانے کی کوشش کی جنہوں نے آزادی کی جنگ لڑی ۔ انگریز کو بھگایا اور مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع روشن کی ۔ شاہ جی اور اُنکے ساتھیوں کی مخلصانہ جدوجہد کے بغیر پاکستان کیسے بن سکتا تھا ۔ اقبالؒ پر ہندوستان میں صد سالہ جشن منایا جا سکتا ہے تو پاکستان میں امیر شریعتؒ کا یوم سرکاری سطح پر کیوں نہیں منایا جا سکتا ۔ المیہ یہ ہے کہ ہمارے حکمران اسلامی نظام کے رضاکاروں کو قومی ہیرو تسلیم کرنے سے گریزاں ہے ۔

شاہ جیؒ کا ایمان تھا کہ انگریز اور مرزائی اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں انہوں نے تمام عمر انہی دین دشمنوں کے خلاف انتھک جدوجہد کی ، آج ہم آزاد ہیں ۔ تقریریں کرتے ہیں لیکن ملک ابھی تک انگریزوں اور مرزائیوں سے نجات حاصل نہیں کر سکا ۔ اس لئے شاہ جیؒ نے جس جنگ کا آغاز کیا تھا ۔ وہ ختم نہیں ہوئی ابھی تک جاری ہے جب تک اس ملک سے انگریزوں کے ایجنٹ مرزائیوں اور مرزائی نواز حکمرانوں کا اثر ختم نہیں ہو جاتا ۔ شاہ جیؒ کے ماننے والوں کا سفر جاری رہے گا ۔ وہ کسی ایک طبقے یا جماعت کے نہ تھے وہ پوری ملتِ اسلامیہ کی امانت تھے ۔ ہر مسلمان اُن کی عزت کرتا تھا اور وہ ہر مسلم کے دل میں بستے تھے ۔ وہ اپنے میدان میں بھی مانے گئے اور آج کا میدان انہیں مانتا ہے ۔ اُن کو یاد کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انگریزوں کی تہذیب اور مرزائیوں کے اثرات سے اس ملک کو ہمیشہ کے لئے پاک کر دیا جائے شاہ جیؒ کی روح ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ غریب اور مفلس کم ہمت اور نادار سوچ سے کام لیں اور بیدار ہوں ۔ علماء کرام باہمی نزاعات کو ختم کریں اسلام کے اُصولوں اور اسلامی اقتدار کے قیام کے لئے متحدہ جدوجہد کریں ۔ اور عہد کریں کہ اب اس دھرتی پر وڈیروں جاگیرداروں اور سرمایہ پرستوں کا حکم نہیں چلے گا ۔ اب یہاں صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم چلے گا ۔ آپ دیکھیں گے ۔ کہ شاہ جی کا مطلوبہ انقلاب آئے گا اور ضرور آئے گا ۔

عطاء الحق قاسمی

حضرت شاہ جیؒ نے انگریز کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے قید وبند کی کس قدر صعوبتیں جھیلیں اپنے آرام کو قربان کیا۔ سیم وزر کو اپنے پاؤں کی خاک سے بھی کم تر جانا یا یہ کہ آج تک اُن سے بڑا خطیب پیدا نہیں ہوا یہ وہ باتیں ہیں جو تاریخ کا حصہ ہیں اور تاریخ کو عطاء الحق قاسمی کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں۔

پاکستانی قوم ایک دن شاہ جیؒ کو ضرور پہچانے گی کہ قیام پاکستان کے لئے بالواسطہ طور پہ راہ ہموار کرنے والے تحریک آزادی کے یہ راہنما بھی ہمارے محسن ہیں اور اپنے محسنوں کو جو قوم جتنی جلدی پہچانے اس کے لئے یہ اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔

اجمل نیازی

قیام پاکستان کے بعد شاہ جیؒ نے تمام سیاسی اختلافات فراموش کر کے اپنے کردار کی عظمت کا لوہا منوایا۔ شاہ جیؒ نے انگریز سے جنگ کر کے قوم کو آزادی سے ہمکنار کیا مگر ہم نے آزادی کی قدر نہ کی۔ آج ہم آزاد ہو کر انگریزوں سے بھی بدتر غلامی کا شکار ہیں۔ شاہ جیؒ عظیم مجاہدِ آزادی تھے۔ اُن کے کردار کو اپنا کر حقیقی آزادی حاصل کی جا سکتی ہے اور اُن کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے۔

جانباز مرزا

شاہ جیؒ جیسا بہادر اور صاحب ایمان میں نے کوئی اور نہیں دیکھا۔ انہوں نے چالیس برس پہلے جن حالات کی نشاندہی کی تھی وہ آج پاکستان میں حرف بہ حرف پورے ہو رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے شاہ جیؒ نے کہا تھا:

"پاکستان بن جائیگا۔ لیکن مسجد شہید گنج مسلمانوں کو نہیں ملیگی"۔

آج مسجد کے دروازے پر پولیس کا پہرہ ہے اور مسلمان اس میں سجدہ کرنے سے قاصر ہے۔

آزادی کی جنگ میں پنجاب کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان پنجاب ہی کی وجہ سے بنا ہے۔ یہ غلط کہا جا رہا ہے کہ ہم پاکستان یا نظریہ پاکستان کے مخالف تھے۔ احرار کو تقسیم کے نقشے پر اختلاف تھا۔ احرار پورے پنجاب اور کشمیر پر مشتمل پاکستان کے قیام کے خواہاں تھے۔

آج پاکستان کو قائم ہوئے بیالیس برس ہو چکے ہیں اور ابھی مسلمانوں کی پچپن ہزار بیٹیاں ہندوؤں کے گھروں میں ہیں۔ لیکن نہ تو یہاں نظریۂ پاکستان کا تحفظ ہوا اور نہ ہی پاکستان پورا بچا۔ حکمرانوں اور سیاستدانوں نے پاکستان کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے۔ خدا کیلئے اس ملک کو بچالیجئے۔

علامہ غلام شبیر بخاری

یہ کمال صرف سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو ہی حاصل تھا کہ دشمن بھی ان کی سچائی کے اعتراف پر مجبور ہو جاتے۔ انکی مقناطیسی شخصیت نے تمام مسالک کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کر دیا تھا۔

مولانا سعید الرحمٰن علوی

شاہ جیؒ نے وعظ فروش مولویوں، جعلی پیروں، شرک پرور صوفیوں اور سرمایہ پرست مذہبی بہروپیوں کا کاروبار ٹھپ کر کے رکھ دیا تھا۔ مجاہدینِ آزادی میں اُن کی شخصیت ہر لحاظ سے منفرد و ممتاز نظر آتی ہے۔ انہوں نے نہ تو کوئی ڈیرہ بنایا نہ گدی چلائی اور نہ دولت جمع کی۔ انہوں نے اپنا سب کچھ دین پر قربان کر دیا۔ وہ مومنِ کامل اور عظیم مجاہدِ آزادی تھے۔

مولانا عبد القادر آزاد

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے آزادیٔ وطن اور استیصالِ فتنۂ مرزائیت کے لئے بے مثال جدوجہد کی۔ انہوں نے بے نواؤں کو زبان بخشی۔ غریبوں، مجبوروں اور آزادی کے کارکنوں کو حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہنے کا سلیقہ عطا کیا۔ عقیدہ ختمِ نبوت کا تحفظ اُن کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا یہ شاہ جی کی محنت اور شعلہ نوائیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم جرأت کے ساتھ دین کی بات کرتے ہیں۔

حمید اصغر نجیب

شاہ جیؒ نے برطانوی استعمار کے خلاف صرف اس لئے جدوجہد کی کہ وہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ فرنگی سامراج کے اقتدار کے خاتمے اور اس کے خود کاشتہ پودے فتنۂ مرزائیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اُن کا مقصدِ حیات تھا۔ آج بھی انہی خطوط پر چل کر اور شاہ جیؒ کے چلن کو اپنا کر ہم منزل پا سکتے ہیں۔

سبط الحسن ضیغم

پنجاب نے آزادی کی جنگ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور یہاں کی قیادت ہمیشہ مسلّم رہی ہے۔ اقبال، ظفر علی خان، چودھری افضل حق، مولانا گل شیر شہید اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری پنجاب کے مایۂ ناز فرزند تھے۔ پنجاب کا سر فخر سے بلند ہے۔ جہاں غداروں نے پنجاب کے وقار کو ختم کرنے کی کوشش کی وہاں اِن جری، آزاد اور بہادر سپوتوں نے قوم، ملک اور دین سے وفاداری کر کے پنجاب کا نام اُونچا کر دیا۔

پروفیسر عباس نجمی

شاہ جیؒ سچے تھے انہوں نے آزادی کی جنگ میں اپنے مفادات قربان کر دیئے۔ انگریز کی پیشکش کو قبول کر لیتے تو آج پاکستان کے سب سے بڑے جاگیردار ہوتے مگر اس مردِ حق آگاہ نے دولت و اقتدار اپنے عظیم مقاصد پر قربان کر دیئے۔ وہ ایک سچے عالمِ دین اور انسان سے پیار کرنے والے رہنما تھے۔ وہ آج بھی لوگوں کے دلوں میں بستے ہیں۔

سعید احمد
تاجیوالہ رشجاع آباد

رواں رہے گا یونہی کارواں بخاری کا

- تاجیوالہ میں حضرت امیر شریعت کی یاد میں جلسہ
- مرزائی اور رافضی ٹیچروں کی گمراہ کن سرگرمیاں

۲۱ اگست کو ملک بھر میں عظیم مجاہد آزادی امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں اجتماعات منعقد ہوئے جن میں دانشوروں، ادیبوں، شاعروں اور علماء نے حضرت امیر شریعت کی ملی دینی اور قومی خدمات پر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

اسی حوالے سے عالمی مجلس احرار اسلام کے کارکنوں نے جامعہ عربیہ نصیر الاسلام تاجیوالہ شجاع آباد میں ایک جلسہ منعقد کیا قاری عبدالغفار صاحب کی تلاوت کلام مجید سے جلسہ کا آغاز ہوا مدرسہ کے ہونہار طلباء نے مل کر سید امین گیلانی کی مشہور نظم سنائی تو سامعین شاہ جی کی یاد میں ڈوب گئے ؂

؂ رواں رہے گا یونہی کارواں بخاری کا
عدو نہ سمجھیں کہ ہم چوٹ کھا کے بیٹھ گئے

جلسہ سے حضرت مولانا نذیر احمد خان نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امیر شریعت کے دل و دماغ میں انگریز کے خلاف نفرت کے جذبات موجزن تھے اور انہوں نے یہی جذبات مسلمانوں میں منتقل کر کے انہیں جہاد آزادی میں اپنا ہمنوا بنا لیا تھا وہ سچے عاشق رسول تھے احرار کے کارکن محمد افضل خاں احرار نے کہا کہ امیر شریعت نے جہاں آزادی کی جنگ لڑی وہاں سے مسلمانوں کے دینی و اجتماعی عقائد کے تحفظ کی بھی زبردست جدوجہد کی وہ عقیدہ ختم نبوت اور اسوۂ ازواج و اصحاب رسول کے سب سے بڑے محافظ تھے انہوں نے ناموس صحابہ کے تحفظ کے لیے تحریک

مدحِ صحابہ چلائی اور رسالت کے تحفظ کے لیے تحریک ختم نبوت برپا کی۔

قاری عبدالستار عابد نے کہا کہ امیر شریعت نے انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزائیت کا قلع قمع کرنے کے لیے لازوال جدوجہد کی انہی کی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج مرزائی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت ہیں جلسہ سے مولانا خواجہ یٰسین صدیقی مدظلہ اور راقم سعید آزاد نے بھی خطاب کیا جلسہ کے اختتام پر حضرت امیر شریعتؒ کی پانچ منٹ ریکارڈ شدہ تقریر سنائی گئی آخر میں مختلف قرار دادوں کے ذریعہ مطالبہ کیا گیا کہ

۱۔ ملک میں مرتد کی شرعی سزا نافذ کی جائے۔ ۲۔ امتناع قادیانیت آرڈی ننس پر عملدرآمد کیا جائے ۳۔ حکومت مرزائیت نوازی سے باز آجائے ۴۔ تحفظ مقام صحابہ آرڈی ننس پر عمل کرایا جائے اور صحابہ کرامؓ پر تبرّی کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ ۵۔ ہائی سکول جگووالا کے رافضی ٹیچر "عزیز" کو فوراً گرفتار کیا جائے جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کر کے اہل سنت کی دل آزاری کی ہے اسی طرح مرزائی ٹیچر "مظفر" کی سرگرمیوں کا نوٹس لیا جائے جو مسلمانوں میں مرزائیت کی تبلیغ کر رہا ہے۔ جلسہ میں اعلان کیا گیا کہ اکتوبر میں تاجیوالا میں ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوگی جس میں قائدین احرار خطاب کریں گے۔

ملتان
نمائندہ خصوصی

یہود و مجوس سے بڑھ کر اسلام کا کوئی دشمن نہیں

دین نام ہے صحابہؓ کی اتباع کا، دفاعِ صحابہ ہر مسلمان پر فرض ہے

پندرھویں سالانہ مجلس ذکرِ حسینؓ سے حضرت سید عطاء المحسن بخاری سید عطاء المومن بخاری، مولانا محمد اسحٰق سلیمی اور سید کفیل بخاری کا خطاب

سانحۂ کربلا منافقینِ عجم کے سازشی فکر و فلسفہ پر ایک ضربِ کاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ شہادتِ حسینؓ سے دین کی روحِ عمل سمجھ آجاتی ہے اور غیرت و حمیت اپنے اوجِ کمال پر نظر آتی ہے۔ ان خیالات کا اظہار دارِ بنی ہاشم میں یوم عاشورہ کے موقع پر خطیب بنی ہاشم ابنِ امیرِ شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے فرمایا۔

وہ پندرھویں سالانہ قدیمی مرکزی مجلسِ ذکرِ حسینؓ میں مومنینِ اہل سنت کے سب سے بڑے اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ سب کے سب صحابہ کرام اسی دانائے سُبل، فخر الرسل اور مولائے کل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پروردہ ہیں کہ جن کا حکم حکمِ الٰہی، کلام کلامِ الٰہی اور عمل منتہائے ربی ہے۔ مولائے کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین لاکھ سے متجاوز قدسی صفت صحابہ کی جماعتِ گراں مایہ میں فکر و نظر اور شعور و احساس کا وہ نور منتقل کیا کہ جو قیامت تک اُمتِ رسول کیلئے ہدایت اور حریت کے راستوں کو اُجالتا رہے گا۔ اُسوۂ حسینی میں اُسوۂ رسالت کا یہی نورانی عکس نمایاں تر ہے۔ سیدنا حسینؓ نے جہاں غیرتِ ایمانی کو نیا مفہوم عطا کیا ہے وہاں انھوں نے منافقین کے اس گروہ کو ہمیشہ کے لئے رُسوا کر دیا ہے کہ جو اُن کے نانا کے دین کے درپے آزار ہو کر خلافتِ عثمانی پر مہلک وار کر چکا تھا۔

حضرت حسینؓ کا اُسوہ مقامِ صحابیت کی تفسیر ہے اور اس سے اس ارشادِ نبوی کی صداقت پر ایمان قوی ہو جاتا ہے کہ جماعتِ صحابہ کا ہر ہر فرد قیامت تک اُمتِ رسول کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ وہ سب آسمانِ نبوت کے روشن ستارے ہیں۔ وہ سب مومنینِ کاملین ہیں۔ صحابہ کے ایمان کی گواہی خود اللہ نے کلام اللہ میں دی۔ منافقت اور ایمان کی راہیں متضاد اور جُدا جُدا ہیں۔ جو لوگ منافقت کا روپ دھار کر صحابہ کی جماعت میں داخل ہو گئے اللہ نے وحی کے ذریعے نبی کریم پر اُنکی منافقت واضح کر دی تھی۔ حضور نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کا نام لے لے کر اُنہیں اپنی جماعت سے باہر نکال دیا تھا۔ اس فیصلہ رسول کے

بعد کسی صحابیِ رسول کے ایمان میں شک کا اظہار بجائے خود منافقت ہے۔

حادثہ کربلا کے پس منظر میں یہودیوں، سبائیوں اور مجوسیوں کی منافقانہ سازشیں کارفرما تھیں۔ خیبر کی شکست، جزیرۃ العرب سے انخلاء اور اپنے اقتدار کے چکنا چور ہونے کے بعد یہودیوں نے اُمتِ مسلمہ میں انتشار و افتراق کی گہری سازشیں شروع کر دی تھیں اور وہ اسلامی حکومت کے استحکام اور تیزی سے بڑھتی ہوئی فتوحات سے خوفزدہ ہو کر انتقام پر اُتر آئے تھے۔ اُدھر ایرانی مجوسیوں کو اقتدارِ کسریٰ کے ملیامیٹ ہو جانے سے کبھی نہ مندمل ہونے والے زخم چاٹنے کی مصروفیت تھی۔ انہی دو نمایاں عناصر کو ایک حسبی نسبی یہودی مسٹر عبداللہ ابن سبا جیسا شر دماغ سازشی میسر آیا جس نے امامِ مظلوم سیدنا حسینؓ کی شہادت تک مرکزی کردار ادا کیا۔

سیدنا حسینؓ نے اگر امیر یزید کی بیعت نہیں کی تو اُن کا یہ اجتہادی حق تھا۔ اور اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر صحابی مجتہد مطلق ہوتا ہے اور مجتہد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر قائم رہے یا رجوع کرے۔ دونوں صورتوں میں ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا حسینؓ کے اجتہادی موقف کے صاف برعکس اسلامی حکومت کے بینتالیس صوبوں کے مسلمانوں نے مکمل اتفاق سے امیر یزید کی بیعت کی اور انہیں اپنا خلیفہ منتخب کیا۔ بیعت کرنے والوں میں "بدر" و "احد" کے صحابہ بھی موجود تھے اور ان صحابہ نے کسی جبر کے تحت بیعت نہیں کی کہ اس کا تصور بھی اپنے ایمان کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

کوفہ کے شیعانِ علیؓ نے سیدنا حسینؓ کو خطوط لکھے اور تختِ خلافت پر متمکن ہونے کی دعوت دی۔ یہی کوفی پہلے سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ کو دھوکہ دیکر شہید کر چکے تھے۔ چنانچہ جب سیدنا حسینؓ نے سیدنا مسلم بن عقیل کو جائزہ لینے کیلئے کوفہ بھیجا تو حسبِ دستور سابق کوفیوں نے انھیں بھی شہید کر دیا۔ حضرت حسینؓ کوفہ روانہ ہو چکے تھے کہ راستے میں "ثعلبیہ" کے مقام پر شہادتِ مسلم سے مطلع ہوئے۔ وہیں آپ نے اپنے سابقہ مؤقف سے رجوع کر کے امیر یزید سے ملاقات کا فیصلہ کر لیا اور اسی مقام سے کوفہ کی بجائے شام کی طرف سفر شروع کر دیا۔

ابنِ زیاد اور شمر —— حضرت مسلم بن عقیلؓ کے قتل میں شریک تھے اور دونوں نے سمجھ لیا تھا کہ اگر سیدنا حسینؓ امیر یزید کے پاس پہنچ گئے تو مفاہمت ہو جائیگی اور قاتلانِ مسلم کو سزا مل کے رہے گی چنانچہ ان دونوں نے سیدنا حسینؓ کا راستہ روکا اور اپنے ہاتھ پر یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ اس پر سیدنا حسینؓ نے

فرمایا کہ "خدا کی قسم! یہ تو میری موت کے بعد ہی ممکن ہے کہ میں تمہارے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر دوں" سیدنا حسینؓ کا یہ فیصلہ عین حق تھا اور غیرتِ حسینؓ کا تقاضا تھا۔ اس کے بعد شمر اور ابنِ زیاد نے ظلم کیا اور سیدنا حسینؓ کو شہید کر دیا یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ مکّہ سے ثعلبیہ کا سفر حضرت حسینؓ نے خلافت کے لئے فرمایا کہ اُن کے نزدیک عراق میں امیر یزید کی بیعتِ خلافت تب تک منعقد نہ ہوئی تھی لیکن یہ اطلاع کوفیوں کی کہہ مکرنی ثابت ہوئی اور حضرت حسینؓ کو یقین ہو گیا کہ امیر یزید کی خلافت منعقد ہو چکی ہے چنانچہ آپ مفاہمت اور قصاصِ مسلم کے لئے کوفہ کی بجائے شام کو ہو لئے۔ یوں کربلا کا سفر، سفرِ قصاص ہے اور ان سب باتوں کو تائید و تقویت میدانِ کربلا میں پیش کردہ حضرت حسینؓ کی اُن تین شرائط سے ملتی ہے جو آپ نے جناب عمر بن سعد کے سامنے پیش فرمائیں۔ اور پیش کش فرمائی کہ یا مجھے مکہ کو پلٹ جانے دو یا سرحدوں کو نکل جانے دو کہ عساکرِ اسلام کا ہمرکاب مصروفِ جہاد ہو جاؤں اور یا مجھے یزید کے پاس جانے دو تاکہ میں اس سے معاملات طے کروں۔ اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں آخر وہ میرا چچا زاد ہے یہی وہ تین شرائط ہیں جو اہلِ سنّت کیلئے فیصلہ کا معیار ہیں۔ اصل مجرموں کی شناخت کے لئے بھی یہیں سے حقیقی مفیا دفراہم ہوتی ہے۔ ان شرائط کو ائمہ اہلسنت کے علاوہ ائمہ اہلِ تشیع بھی تسلیم کرتے ہیں —— لہذا ان تین شرائط کے مطالعہ کے بعد کسی قصے، کہانی یا افسانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور حقائق کھل کر، اُبھر کر نکھر کر اور سنور کر سامنے آجاتے ہیں۔

آج جو لوگ بھی آلِ رسول اور اہلِ بیتِ رسول کا واسطہ دیکر منافقت کا انتہائی گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ حق و باطل کے خانہ ساز معرکے اٹھا رہے ہیں اور فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں اُن کی ساری خرمستیاں سبائی دولت، اشتری حیلوں، حکیمی تجربہ اور مختاری چالوں کی منظہرِ کامل ہیں۔ یہود و مجوس کی ساری تگ و دو اس نکتہ پر مرتکز و مرکوز ہے کہ تاریخ، ادب، سیاسیات، سماجیات اور اعتقادات کے ہر ہر گوشے میں شرک اور نفاق کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے خانوادۂ نبوت کے خود ساختہ بُت کھڑے کر دیئے جائیں۔ میدانِ جنگ میں عبرتناک شکست اور ذلّت سامانِ موت سے پے در پے دوچار ہونیوالے اعدائے خدا اور رسول کے پاس یہی ایک انتقامی حربہ تھا جو پوری قوت سے اور مسلسل آزمایا گیا۔ اور آ زمانے والے وہی تھے کہ فتنہ و سازش اور شرک و نفاق جن کی فطرت، طینت، ضمیر و خمیر، سرشت و خصال اور فکر و نہاد کے

اجزائے ترکیبی ہیں۔

بندگئ بوتراب اور محبتِ آلِ رسول و اہلبیتِ اطہار کا نعرہ سرزمینِ عجم کو اسی لئے خوش آیا کہ یہاں صنم پرستی، شاہ پرستی اور شخصیت پرستی مزاجوں کا حصّہ ہو چکا ہے۔ اجرامِ فلکی سے لیکر حشراتِ ارضی تک کونسی چیز ہے جو عبادت و ریاضت کی سزاوار نہ تھی۔ بندگئ طاقت و دولت۔ آئین ہائے کہنہ و نو کے متن واحد کا درجہ رکھتی تھی۔ ایسی رُت میں، ایسے ماحول میں اور ایسے موسم میں عبیّانِ یہود اور مجوس کے لیئے سازگاری ہی سازگار تھی چنانچہ ملتِ ابراہیمی کی عالمگیر وحدت کو پارہ پارہ، اُمتِ محمدیہ کی ابدی شوکت و سطوت کو مجروح و مسخ کرنے کیلئے ایک متوازی اور متضاد دین ایجاد کیا گیا۔ دینِ عجم کے پجاری گذشتہ تیرہ سو سال سے اسلام کے صدرِ اوّل میں اپنی جانکاہ ہزیمتوں کا انتقام لے رہے ہیں لیکن یہ دینِ اسلام ہے کہ خونِ صحابہ اور اُسوہ و آثارِ صحابہ اس کے قابلِ تسخیر قلعہ کی فصیلیں ہو گئے ہیں۔

اس سے قبل مجلس کی پہلی نشست سے خطاب کرتے ہوئے سید عطاء المومن بخاری نے فرمایا کہ سیدنا حسینؓ کا اجتہادی مؤقف اوّل و آخر اجماعِ اُمت کے پاس اور احترام کا درس دیتا ہے۔ حضرت حسینؓ کے پیشِ نظر کبھی بھی بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کی تفریق نہیں رہی بلکہ خانوادہ نبوّت کی روایات کی پاسداری میں اُنہوں نے نسبی و ایمانی مراسم کی وہ نظیر قائم کی جو بجائے خود ایک اُسوہ اور ایک معیار ہے۔ آج لوگ سائوں کو بلا کر حق و باطل اور کفر و اسلام کی جنگ بنانے بتانے پر مُصر ہیں۔ اور اس کو جہاد منوانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ تاریخ کی مکذوبہ اور جعلی روایات کا انبار لگا کر حق شناس مسلمانوں پر رعب گانٹھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ خواہ اس کوشش میں کتنے ہی صحابہؓ کی اہانت و تکذیب کیوں نہ لازم آتی ہو۔ تاریخ کے راستے سے اعتقادات میں رسوخ پیدا کرنے والے تخریب کار اور نقب زن ایک تو وہ ہیں کہ جن کے قلب و نظر میں بغض و عناد اور شر و فساد کے علاوہ کچھ اور ہے ہی نہیں اور دوسرے وہ بھی ہیں کہ جنہیں اہلِ سنت ہونے کا بے ثبوت دعویٰ ہے اور جن کی شپرہ چشمی کے عبرتناک مظاہر نے بذاتِ خود تاریخ میں کئی المیوں کو راہ دی ہے۔ تاریخ ہمارے لئے نہ حجت ہے نہ معیار اور نہ معتبر! اس لئے ہمیں کسی فلسفۂ تاریخ کی احتیاج نہیں۔

حجّت ہے تو کلامِ ربّی اور ارشادِ نبوی ہے ۔ یہی معیار ہے ۔ یہی معتبر ہے ۔ یہی حق ہے ورنہ عین حق ہے ۔ اسی کا نام دین ہے ۔ اور دین کی تفہیم و تشریح اُس وقت ناممکن ہے جب تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو معیارِ حق و صداقت نہ سمجھا جائے ۔ کیونکہ صحابہ پروردگانِ رسالت ہیں ۔

ہر وہ فکر نظریہ اور تعبیر جو صحابہ کرام کے متعلق کسی بھی قسم کی بدگمانی یا بدکلامی کا سبب بنتا ہے ۔ سراسر کفر اور باطل ہے ۔ دین نام ہے صحابہ کی محبت اور اطاعت کا اُن پہ اعتماد اور یقین کا ۔ اس کے بغیر کوئی مسلمان مؤمن کامل نہیں ہو سکتا ۔ اسی لئے اسلام کے نظامِ عقائد و افکار کو تلپٹ کرنے کے خواہاں سبائی ایجنٹ ہمیشہ سے صحابہ کرامؓ کو بھونکتے رہے ہیں خواہ وہ نام نہاد فلاسفہ و مناطقہ ہوں یا متکلّمین و مؤرخین آج بھی تاریخ کے بہت سے کاغذی پہلوانوں کو اپنے دجل تلبیس پہ بے جا ناز ہے ۔ حالانکہ تاریخ ہی کے مضبوط حوالوں سے ایسے لوگوں کو " زندہ درگور " کیا جا سکتا ہے ۔

دین میں جو تقدس قرآن و حدیث کو حاصل ہے وہ تاریخ کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا ۔

" مجلسِ ذکرِ حسینؓ " سے مولانا محمد اسحٰق سلیمی ۔ حافظ سید محمد کفیل شاہ بخاری اور جناب محمد یعقوب خان نے بھی بھرپور خطاب کیا ۔ جناب حافظ محمد اکرم نے منظوم کلام سے مومنینِ اہلِ سنّت کے جوان جذبوں کی ترجمانی کی ۔ مجلس میں ہزاروں کے مجمع نے مسلسل سات گھنٹے تک تذکار و افکارِ حسینی سماعت کئے ۔ اور یوں یہ مبارک مجلس حسبِ دستور (شہدائے کربلا و جمیع مرحومینِ اُمتِ محمدیہ کے ایصالِ ثواب کیلئے اجتماعی قرآن خوانی سے شروع ہو کر لنگرِ حسینی کی تقسیم پہ اختتام پذیر ہوئی ۔

چیچہ وطنی

حبیب اللہ چیمہ

سیّدنا حسین سمیت تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی محبت اُمّت مسلمہ کے ایمان کا حصّہ ہے

مکی مسجد چیچہ وطنی میں سالانہ مجلس ذکرِ حسین سے سیّد عطاءالمومن مدظلہ کا خطاب

چیچہ وطنی ۱۲ اگست (پ ر) مجلس احرار پاکستان کے مرکزی نائب صدر سید عطاء المومن بخاری نے کہا ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ پروردگان نبوت ہیں جو کوئی ہمیں ان کے ذکر سے روکے گا یا ان کی تعلیمات کے راستے میں روڑے اٹکائے گا اس پر قہر خداوندی نازل ہوگا وہ گذشتہ شب مکی مسجد چیچہ وطنی میں مجلس ذکر حسین رضی اللہ عنہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔ مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ۔ صوفی محمد شفیق عتیق۔ مولانا محمد الیاس قاسمی۔ مولانا سیف اللہ۔ قاضی بشیر احمد۔ محمد معاویہ اور دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا۔ سید عطاء المومن بخاری نے کہا کہ کسی بھی نبی کا کوئی رشتہ دار جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نبی کی اطاعت نہیں کرتا اس وقت تک اس کا محض رشتہ دار ہونا نجات کیلئے کافی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام پر تنقید کرنے والا کوئی فرد یا گروہ امت مسلمہ کا ہرگز حصہ نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام کو تنقید و تنقیص کا نشانہ بنانے والے دراصل عبداللہ ابن سبا اور عبداللہ ابن ابی کی اسلام دشمن تحریکوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ سید عطاء المومن بخاری نے کہا کہ صحابہ کرام اسلام ' قرآن ' نبوت کے گواہ ہیں ان پر عدم اعتماد کا مطلب خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام کی محبت پوری امت مسلمہ کے ایمان کا حصہ ہے۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ اسلام کے انقلاب سے سب سے زیادہ زد یہودیوں پر پڑی تھی جس کا انتقام لینے کیلئے انہوں نے ایسا طبقہ پیدا کیا جو چند مقدس شخصیات کی محبت کا لبادہ اوڑھ کر امت میں تفریق کے مکروہ عمل میں مصروف ہو گیا اور نبی کریم کی شخصیت کو مجروح کرنے کیلئے صحابہ کرام پر اعتراض کرنے لگا اور صحابہ و اہل بیت کو دو الگ الگ طبقے بتانے لگا۔ خالد چیمہ نے کہا کہ منکرین صحابہ نے سازشی طریق کار سے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اسلام پوری امت کی فلاح کا ضامن نہیں بلکہ ایک گھر کی میراث ہے یہیں سے یہودی اور سبائی فلسفہ کی چھاپ گہری ہوتی چلی گئی جس کے منطقی نتیجے کے طور پر پیشہ ور مولوی نے خود ساختہ قصے کہانیوں میں قوم کو الجھا کر عوام کے عقیدے کو برباد کیا اہلحدیث رہنما صوفی محمد شفیق عتیق نے کہا کہ ہم ہر سال محرم الحرام میں پرامن اجتماعات منعقد کرتے ہیں لیکن منکرین صحابہ اور شرپسند عناصر انہیں رکوانے اور غیر قانونی پابندیاں لگوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان پابندیوں کی پرواہ نہیں کرتے اصحاب رسول کی مدح سرائی ہم ہمیشہ کرتے رہیں گے جلسہ پورے مذہبی جوش و خروش کے ساتھ نہایت پرامن ماحول میں رات گئے تک جاری رہا اور پرامن طور پر اختتام پذیر ہوا۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور

۱۳ر اگست ۱۹۸۹ء

حسنِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

سید ذوالکفل بخاری

امیرالمؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار (جلد اوّل)

ناشر :- کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

ضخامت :- چھ سو اٹھاسی (٦٨٨) صفحات

قیمت :- نوّے روپے۔ کتابت و طباعت :- متوسط

زیر تبصرہ کتاب ایک ایسے موضوع پر لکھی گئی ہے کہ جس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار ممکن ہی نہیں صحابہ کرام (سلام اللہ و رضوان علیہم) اور خصوصاً اکابر صحابہ پر اردو لٹریچر کی کمی آج بھی ایک المیہ ہے اگر کچھ بزرگوں نے اس طرف توجہ فرمائی بھی تو اُن کے اسلوب نگارش اور طرزِ استدلال و اظہار پر عالمانہ لب و لہجہ کی چھاپ اس قدر گہری تھی کہ عام قاری کیلئے استفادہ کی راہیں کٹھن ہو گئیں اور اس سے بھی بڑھ کر المیہ یہ ہے کہ کچھ اللہ کے بندے تاریخ و سیرت کی وادی میں اس طور نازل ہوئے کہ گویا اُنہیں قاضی القضاۃ اور قاضی الحاجات کا منصب بارگاہ ایزدی سے عطا ہوا ہے۔ ہمارے ان جن حضرات نے یہ کمی اور کمزوری محسوس کی بلکہ اس کے ازالے اور مداوے کیلئے سعی بلیغ فرمائی اُن میں ہمارے محترم جناب حکیم محمود احمد ظفر زید مجدہٗ ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اس جلد میں اُن کی کتاب "امیرالمومنین سیدنا معاویہؓ۔ شخصیت اور کردار" پہلے ہی۔ علماء، طلباء اور عامۃ الناس سے قبولِ عام کی سند حاصل کر چکی ہے اور اب چھ سو اٹھاسی صفحات کی اس شاندار کتاب میں سیدنا عثمانؓ کی حیات و خدمات پر بیسیوں کتابوں سے بے نیاز کر دینے والا مواد ہمارے دینی شعور کو جلا بخش رہا ہے۔ گو اس کتاب میں موضوع سے متعلق جملہ مباحث نہیں سمیٹے جا سکے کہ ابھی بہت سا مواد جلد ثانی میں آنا باقی ہے لیکن یہ کتاب بلاشبہ اپنی جگہ مکمل اور جامع و مانع ہے۔ حکیم صاحب محترم نے دوران تحریر شخصیت و کردار کے روایتی اندازِ بیان سے یکسر ہٹ کر

اپنی نئی راہ پیدا فرمائی ہے۔ بہت سے جزوی اور ضمنی حقائق و واقعات کو غیر معمولی اہمیت دیکر اُجاگر کیا ہے اور یوں کہ یہ سب بالکل نیا معلوم ہوتا ہے۔ لاریب یہ اعلیٰ تالیفی صلاحیتوں کی علامت ہے۔ ہم کتاب کی ایک ایک سطر (اور وہ بھی بہ نظرِ غائر) تو نہیں پڑھ پائے لیکن اکثر مقامات کے مطالعے سے یہی تاثر قائم ہوا ہے جسے بیان کر دیا گیا ہے۔ کتاب میں کہیں کہیں مختلف خامیاں بھی ہیں (اور یہ ہوا ہی کرتی ہیں) مثال کے طور پر کئی جگہ حوالۂ کتاب نامکمل ہے اور عموماً صفحہ نمبر درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ اسی طرح املاء کی کئی فاش اغلاط دیکھنے میں آتی ہیں۔ کئی جگہ حاشیہ اور متن خلط ملط محسوس ہوتا ہے۔ کتابت چونکہ کئی کاتبوں سے کرائی گئی ہے جس سے کتاب کا حسن و وقار سخت متاثر ہوا ہے۔ باقی جہاں تک حقائق و معارف کی بات ہے۔ اس باب میں تو علماء اور محققین ہی اشکال و اعتراض وارد کر سکتے ہیں۔ ایک آدھ مقام پر ہمیں بھی کھٹک محسوس ہوئی مثلاً ص ۴۵۸ پر لکھا ہے "سیدنا معاویہ نے سیاسی مصلحت کے تحت اس عبداللہ بن سبا سے کوئی خاص تعرض نہ کیا۔ ہماری ناقص رائے میں یہاں کوئی سیاسی مصلحت ہرگز پیشِ نظر نہ تھی بلکہ سیدنا معاویہ کو اُس وقت تک سبائی سازش کا بالکل اندازہ نہ تھا۔ کیونکہ یہ خلافتِ عثمانی کے اختتام سے بہت پہلے کی بات ہے۔ اُنہوں نے ابنِ سبا کی "کنولسینگ" کو ایک آدمی کے خلجان پر محمول کیا پھر اُن کے سامنے حضرت ابوذر غفاریؓ زندہ مثال تھے ——— اُمید ہے آئندہ ایڈیشن میں ان امور پر مزید توجہ دی جائیگی۔ کتاب اپنی موجودہ حالت میں بھی یقیناً معرکے کی چیز ہے۔ خصوصاً "بنواُمیّہ سے تاریخ کی زیادتی" "اسلامی تاریخ کے مآخذ"۔ "حدیث و تاریخ کا تقابل" "تاریخی روایات کو پرکھنے کے اُصول"۔ "تاریخ کی مشہور کتابوں پر ایک نظر" جیسے ابواب اسلامی تاریخ کے قارئین کے لئے انمول تحفہ ہیں۔

اور یہ اس کتاب کا عظیم تفوّق و تفرد ہے۔ کتاب کو پڑھکر امامِ مظلوم کے حضور خراجِ عقیدت پیش کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے ؎

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی ہیں عثمانؓ ابتداء ھابیل

گیارہویں سالانہ یک روزہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس

اور جلوس

۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ
جامع مسجد احرار ۔ ربوہ

حضرت مولانا خواجہ خان مدظلہ
امیر مجلس عمل تحفظ ختم نبوت

زیر سرپرستی :۔ جانشینِ امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری مدظلہ

زیر صدارت :۔ قائد تحریک تحفظ ختم نبوت ابن امیر شریعت
حضرت مولانا سیّد عطاء المحسن بخاری مدظلہ

جس میں

ملک بھر سے ہزاروں احرار فدائین ۔ مزدور ۔ کسان اور طلباء شریک ہو رہے ہیں ۔ زعماء احرار کے ایمان افروز بیانات

پروگرام

صبح ۱۰ بجے تا ۱۲ بجے : بیانات
ایک بجے تا نمازِ عصر : جلوس

مسجد احرار تا مسجد بخاری دَوران جلوس زعماء احرار کی ایمان افروز تقاریر

تحریکِ تحفظِ ختم نبوۃ شعبۂ تبلیغ **عالمی مجلس احرار اسلام پاکستان**

رابطہ : ۸۸۶ ۔ لاہور ۳۲۱۰۷۰ ملتان ۴۲۸۱۳ ۔ چیچا وطنی ۲۱۱۲

مسجد کی بُنیادیں مکمّل ہوچکی ہیں۔ تعمیر کی تکمیل میں بھرپور حصہ لیں، نقد وسامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرمائیں۔
ترسیلِ زر کیلئے؛ منتظم ومتوّلی ابنِ امیرِ شریعت سیّد عطاء المحسن بُخاری دارِ بنی ہاشم ——— ملتان

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

فون: ۷۲۸۱۳

زیرِ تعمیر جامع مسجد ختمِ نبوّت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی ——— ملتان

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان